بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

نضر اللہ امرأ سمع منا
حدیثاً فحفظہ حتی یبلغہ

ذوالقعدہ ۱۴۲۸ھ دسمبر ۲۰۰۷ء

ماہنامہ الحدیث

حضرو

مدیر
حافظ زبیر علی زئی

- اللہ اور اس کے رسول کو ایذا.....!
- امام بخاری تدلیس سے بری تھے
- عدت کے احکام
- سنتِ نبویہ میں بسم اللہ کا مقام و مرتبہ
- سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے محبت

مکتبۃ الحدیث
حضرو، اٹک : پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر الله امرأً سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 4	ذوالقعدہ ۱۴۲۸ھ دسمبر ۲۰۰۷ء	شمارہ: 12

معاونین

حافظ ندیم ظہیر
0301-6603296

محمد صفدر حضروی
0334-5606841

ابو خالد شاکر

قیمت

فی شمارہ : 15 روپے
سالانہ : 150 روپے
علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک
200 روپے

برائے رابطہ

مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

ناشر
حافظ شیر محمد
0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾

بلا شبہ وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے۔ (الاحزاب:۵۷)

فقہ القرآن:

☆ اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے سے مراد اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے، یا پھر ایسے امور کا ارتکاب کرنا ہے جو اللہ کی ناراضی کا سبب بنتے ہیں۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابنِ آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے، وہ زمانے کو گالی دیتا ہے حالانکہ میں ہی زمانہ (بدلنے والا) ہوں، میرے ہی ہاتھ میں سب کچھ ہے، میں رات اور دن کو بدلتا رہتا ہوں۔ (صحیح بخاری:۴۸۲۶،صحیح مسلم:۲۲۴۶، دارالسلام:۵۸۶۲)

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی ایذا پر صبر کرنے والا نہیں (باوجودیکہ وہ ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے) لوگ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور اس کے لئے بیٹا بناتے ہیں۔ پھر (بھی) وہ ان کو تندرستی اور روزی دیتا ہے۔

(صحیح مسلم:۲۸۰۴، دارالسلام:۷۰۸۰، صحیح بخاری:۶۰۹۹)

☆ الشیخ عبدالرحمٰن السعدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچانے والوں پر) ''دنیا میں اللہ کی پھٹکار ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں رحمت سے دور کر کے دھتکار دیا ہے۔ دنیا کے اندر ان پر لعنت یہ ہے کہ شاتمِ رسول کی حتمی سزا قتل ہے۔'' (تفسیر السعدی مترجم ۲۱۶۸/۳، طبع دارالسلام)

اور آخرت میں تو ایسے لوگوں کے لئے ہے ہی رسوا کن عذاب۔ (أعاذنا الله منه)

فقہ الحدیث

اضواء المصابیح

عذاب قبر

۱۲۵) عن البراء بن عازب عن النبي ﷺ قال :((المسلم إذا سئل فى القبر يشهد أن لا إله إلا اللّٰه و أن محمدًا رسول اللّٰه فذلك قوله :﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾))و في رواية عن النبي ﷺ قال :((﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ﴾ نزلت في عذاب القبر يقال له :من ربُّك ؟ فيقول:ربي اللّٰه و نبيي محمد .)) متفق عليه .

(سیدنا) براء بن عازب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوتا ہے، وہ لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے۔ پس یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ایمان لانے والوں کو اللہ قولِ ثابت کے ساتھ دنیا و آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ [ابراہیم: ۲۷] (صحیح بخاری: ۴۶۹۹) ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایمان لانے والوں کو اللہ قولِ ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے۔ عذابِ قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اسے کہا جاتا ہے: تیرا رب کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد (ﷺ) ہیں۔ متفق علیہ (صحیح بخاری: ۱۳۶۹، صحیح مسلم: ۲۸۷۱/۷۳)

فقہ الحدیث: ① عذابِ قبر برحق ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۴۱ ص ۱۵
② قبر میں تین سوالات کئے جاتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور آپ (محمد ﷺ) کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟ ③ حدیث قرآن کی شرح و بیان ہے۔

۱۲۶) وعن أنس قال قال رسول اللّٰه ﷺ :((إن العبد إذا وضع في قبره، و تولّى عنه أصحابه [و] إنه ليسمع قرع نعالهم أتاه ملكان فيقعدانه فيقولان : ما كنت تقول في هذا الرجل ؟ لمحمد [ﷺ] : فأما المؤمن فيقول : أشهد أنه عبداللّٰه و رسوله . فيقال له :انظر إلى مقعدك من النار قد أبدلك

اللّٰه به مقعدًا من الجنة فيراهما جميعًا . و أما المنافق والكافر فيقال له :ما كنت تقول في هذا الرجل ؟ فيقول :لا أدري ! كنت أقول ما يقول الناس ! فيقال :لا دريتَ ولا تليتَ و يُضرَب بمطارق من حديد ضربة فيصيح صيحة يسمعها من يليه غير الثقلين .)) متفق عليه . ولفظه للبخاري .

(سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ (مرنے کے بعد) جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس پلٹے ہیں، وہ اُن کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آ کر اسے بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں: تُو اس آدمی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ مومن تو جواب دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر اسے کہا جاتا ہے: دیکھ اپنا جہنم والا ٹھکانا، اللہ نے اس کے بدلے میں تجھے جنت کا ٹھکانا عطا کر دیا ہے، پس وہ دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے۔ جب منافق یا کافر سے پوچھا جاتا ہے کہ تُو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو وہ کہتا ہے: مجھے پتا نہیں، میں تو وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے: نہ تُو نے خود (حق) پہچانا اور نہ تلاوت کی۔ اسے لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے تو وہ چیختا ہے۔ اس کی چیخ و پکار انسانوں اور جنوں کے سوا ہر چیز سنتی ہے۔ متفق علیہ (بخاری: ۱۳۷۴، مسلم: ۲۸۷۰) اور یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

فقہ الحدیث: ① سوال و جواب کے وقت میت واپس جانے والے لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سنتی ہے۔ ② قبرستان میں جوتوں سمیت چلنا جائز ہے۔

③ ہذا الرجل سے مراد یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں دکھائے جاتے ہیں۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ میت اس سوال کے جواب میں کہتا ہے: ''أي رجل ؟'' کون سا آدمی؟

(دیکھئے المستدرک للحاکم ۱/۳۸۰ ح ۱۴۰۳، وسندہ حسن، وصحیح ابن حبان، الاحسان: ۳۱۰۳/۳۱۱۳ وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

اگر قبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوتا تو مرنے والا یہ کبھی نہ پوچھتا: کون سا آدمی؟

④ آج کل ''ولا تليتَ'' سے بعض تقلیدی لوگ تقلید ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ اس سے مراد کتاب اللہ کی تلاوت یا انبیاء کرام علیہم السلام کی اتباع ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

ہرمزان کا اسلام

سوال: ماہنامہ ''شہادت'' مارچ 2007ء کے صفحہ نمبر 36 پر ''وعدے کا پاس'' کے عنوان سے ایک مشہور واقعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا گیا ہے:

''ایران کا مشہور سپہ سالار ہرمزان قیدی بنا کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جسے اس نے ٹھکرا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے، کیونکہ اس نے اسلام کو بڑا نقصان پہنچایا تھا۔ جب اس کے قتل کی تیاری ہوگئی تو اس نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا: میں پیاس سے نڈھال ہوں...... کیا ایسا ممکن ہے کہ مجھے قتل کرنے سے پہلے پینے کیلئے پانی دیا جائے؟ حکم ہوا کہ اسے پانی پلایا جائے۔ ہرمزان نے پانی کا پیالہ ہاتھ میں لیا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: یہ پانی جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے، اسے پینے تک آپ لوگ مجھے قتل تو نہیں کریں گے؟ فرمایا: ہاں! جب تک تم یہ پانی نہیں پیو گے تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس نے جلدی سے پانی کو نیچے گرا کر ضائع کر دیا اور کہا: امیر المومنین! دیکھئے آپ نے وعدہ کیا ہے اب اس کو پورا کیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہیں قتل کرنے سے فی الحال رک جاتے ہیں، میں تمہارے معاملے میں غور و فکر کروں گا۔ پھر جلاد کو حکم دیا کہ تلوار ہٹا لو۔ اب اس نے بلند آواز میں پکارا:

أشهد أن لا إله إلا الله وأنّ محمدًا رسول الله

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اسلام لے آئے ہو، اچھا کیا، مگر یہ بتاؤ جب میں نے تمھیں اسلام کی دعوت دی تھی تو اس وقت تم نے قبول کیوں نہ کیا؟ اس نے کہا: مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ اگر میں اس وقت اسلام قبول کروں گا تو میرے بارے میں کہا جائے گا کہ موت سے گھبرا کر اسلام لایا ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرمان: ''**عقول فارس تزن الجبال**''

''اہل فارس کی عقلیں پہاڑوں جیسی ہیں'' سے مراد یہ ہے کہ یہ بڑے عقل مند و دانا ہیں، ان کی عقلیں عظیم الشان ہیں۔'' اس واقعہ کی تحقیق و تخریج درکار ہے۔ (محمد وقاص زبیر، راولپنڈی)

الجواب: الفاظ کے اختلاف کے ساتھ قصۂ مذکورہ بغیر کسی سند کے کئی کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً: طبقات ابن سعد (۵/ ۸۹، ۹۰) المنتظم لابن الجوزی (۴/ ۲۳۴، ۲۳۵ سنہ ۱۷ھ بحوالہ ابن سعد) تاریخ الاسلام للذہبی (۳/ ۲۹۴، ۲۹۵ بحوالہ ابن سعد) الکامل لابن الاثیر اور تاریخ ابن خلدون وغیرہ۔

یہ قصہ سیف بن عمر التمیمی (ضعیف الحدیث فی الحدیث وضعیف الحدیث فی التاریخ) کی سند کے ساتھ تاریخ ابن جریر الطبری (۴/ ۸۳۔ ۸۸ دوسرا نسخہ ۱/ ۲۵۵۱۔ ۲۵۵۹) اور المنتظم (۴/ ۲۳۲۔ ۲۳۵) میں مذکور ہے۔ سیف بن عمر کے ضعف اور کئی علتوں کی وجہ سے یہ قصہ مردود ہے۔

پانی اور پیاس کے ذکر کے بغیر یہ قصہ تاریخ خلیفہ بن خیاط میں موجود ہے۔

(روایت ہے کہ) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے فرمایا تھا: تُو بات کر، کوئی حرج نہیں ہے۔ اس نے ان الفاظ سے استدلال کر کے اپنی جان بچالی۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۱۴۷)

اس قصے کی سند حُمید (الطّویل) تک صحیح ہے۔ حمید نے اسے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے صیغۂ عن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

بعض علماء حمید الطّویل کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے عن والی روایات کو بھی صحیح سمجھتے ہیں۔ حمید طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے اور راجح یہی ہے کہ ان کی غیر صحیحین میں ہر معنعن منفرد روایت ضعیف ہوتی ہے لہٰذا یہ قصہ بلحاظِ سند ضعیف ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ: ہرمزان کو (بعد میں) عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے فوراً بعد مشتعل ہو کر شک کی بنا پر قتل کر دیا تھا۔ (دیکھئے طبقات ابن سعد ۳/ ۳۵۵، ۳۵۶ وسندہ صحیح)

ہرمزان کے قبولِ اسلام کے لئے دیکھئے صحیح بخاری (۳۱۵۹)

''عقول فارس تزن الجبال'' وغیرہ والا قصہ بے اصل ہے۔ [۱۰/ رمضان ۱۴۲۸ھ]

غنیۃ الطالبین اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ

سوال: کیا ''غنیۃ الطالبین'' نامی کتاب شیخ عبدالقادر جیلانی سے ثابت شدہ ہے اور شیخ عبدالقادر جیلانی کا محدثین اور ائمۂ جرح وتعدیل کے نزدیک کیا مقام ہے؟

[محمد وقاص زبیر، راولپنڈی]

الجواب: غنیۃ الطالبین کتاب کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے لیکن حافظ ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) اور ابن رجب الحنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) دونوں اسے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی کتاب قرار دیتے ہیں (دیکھئے کتاب العلو للعلی الغفار للذہبی ص ۱۹۳، الذیل علی طبقات الحنابلۃ لابن رجب ۲۹۶/۱) اور یہی راجح ہے۔

تنبیہ: مروجہ غنیۃ الطالبین کے نسخے کی صحیح و متصل سند میرے علم میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا علمائے حدیث وائمۂ اسلام کے نزدیک بہت بڑا مقام ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**الشیخ الإمام العالم الزاھد العارف القدوۃ ، شیخ الإسلام ، علم الأولیاء ......**'' (سیر اعلام النبلاء ۴۳۹/۲۰)

ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد ابن قدامہ المقدسی الجماعیلی الصالحی الحنبلی صاحب المغنی (متوفی ۶۲۰ھ) نے فرمایا: ''**أخبرنا شیخ الإسلام عبدالقادر بن أبي صالح الجیلی**''

(سیر اعلام النبلاء ۴۴۰/۲۰ وسندہ صحیح)

حافظ ذہبی نے حافظ ابن السمعانی (متوفی ۵۶۲ھ) سے نقل کیا کہ انھوں نے اپنے استاذ شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں فرمایا: ''**فقیہ صالح دیّن خیّر**''

(سیر اعلام النبلاء ۲۰/۲۰ وتاریخ الاسلام ۸۹/۳۹)

تنبیہ: یہ عبارت الانساب للسمعانی کے پانچ جلدوں والے مطبوعہ نسخے سے گر گئی ہے۔ واللہ اعلم

حافظ ابن النجار نے اپنی تاریخ میں شیخ عبدالقادر کے بارے میں کہا:

''**وأوقع لہ القبول العظیم...... وأظھر اللہ الحکمۃ علی لسانہ**''

اور آپ کو قبولِ عظیم حاصل ہوا...... اور اللہ نے آپ کی زبان پر حکمت جاری فرمائی۔

(تاریخ الاسلام للذہبی ۹۲/۳۹ وفیات ۵۶۱ھ)

حافظ ابن الجوزی نے اپنی مشہور کتاب المنتظم میں ان کا ذکر کیا لیکن شدید مخالفت کے باوجود آپ پر کوئی جرح نہیں کی۔ دیکھئے تاریخ الاسلام (۱۸۹/۳۹) المنتظم (۱۸/۳/۱۷ ت ۴۲۵۹)

علمائے حدیث کی ان گواہیوں اور دیگر اقوال سے معلوم ہوا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ثقہ وصدوق اور نیک آدمی تھے لیکن ان کی اس کتاب میں ضعیف اور موضوع روایات بھی موجود ہیں۔ [۱۰/ رمضان ۱۴۲۸ھ]

امام بخاری تدلیس سے بری تھے

سوال: ایک دیوبندی نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے کہا تھا کہ امام ابن حجر رحمہ اللہ نے ''طبقات المدلسین'' میں امام بخاری رحمہ اللہ کو مدلس کہا ہے لیکن پڑھنے پر پتا چلا کہ امام موصوف نے امام ابن مندہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے اور اس کا رد بھی کیا ہے۔ قول یہ ہے: ''**أخرج البخاري قال فلان وقال لنا فلان ، وهو تدليس**'' مجھے جاننا یہ ہے کہ ایسی بات کا کہنا امام بخاری کی کس کتاب سے ثابت ہے؟ اور کیا یہ بات کہنا ''**قال فلان و قال لنا فلان**'' تدلیس میں آتا ہے؟ [محمد وقاص زبیر، راولپنڈی]

الجواب: مثلاً صحیح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**وقال هشام بن عمار**...'' (ح ۵۵۹۰) حافظ ابن حزم نے اس روایت پر جرح کی ہے لیکن یہ روایت نہ منقطع ہے اور نہ مدلّس بلکہ متصل اور صحیح ہے۔ تفصیل کے لئے فتح الباری دیکھیں۔ غیر مدلس راویوں کا ''**قال فلان**'' یا ''**قال لنا فلان**'' کہنا کبھی تدلیس نہیں کہلاتا۔ مثلاً مشہور ثقہ تابعی ابو جمرہ فرماتے ہیں: ''**قال لنا ابن عباس**....'' (صحیح بخاری: ۳۵۲۲م)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد ابو جمرہ نصر بن عمران الضبعی البصری رحمہ اللہ کا مدلس ہونا قطعاً ثابت نہیں ہے۔ ابن عون نے فرمایا: ''**قال لنا إبراهيم** ..'' (صحیح مسلم ترقیم دارالسلام: ۵۰)

ابراہیم نخعی کے شاگرد ابو عون عبداللہ بن عون بن ارطبان البصری المزنی اور عمرو بن مرہ کے بارے میں امام شعبہ نے فرمایا: ''**ما رأيت أحدًا من أصحاب الحديث إلا يدلس**

إلا ابن عون وعمرو بن مرة'' میں نے اصحابِ حدیث میں سے جنھیں دیکھا ہے، وہ سب تدلیس کرتے تھے سوائے ابن عون اور عمرو بن مرہ کے۔

(مسند ابن الجعد: ۵۰ روایۃ البغوی وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ۱/ ۷۷ح ۵۲، تاریخ دمشق لابن عساکر ۳۳/ ۲۲۲)

یعنی امام شعبہ کے نزدیک ابن عون تدلیس نہیں کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ''قال فلان'' یا ''قال لنا فلان'' کی وجہ سے امام بخاری کو مدلس قرار دینا غلط ہے۔ غالباً اسی وجہ سے حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ کی مخلوقات میں سے امام بخاری سب سے زیادہ تدلیس سے دور ہیں۔ (اغاثۃ اللھفان ۱/ ۲۶۰، الفتح المبین ص ۲۸) [۱۰/ رمضان ۱۴۲۸ھ]

صحیح مسلم کی ایک حدیث اور حافظ ابن عبدالبر

سوال: امام ابن حجر رحمہ اللہ اپنی کتاب ''بلوغ المرام من أدلة الأحكام'' کتاب الصلاۃ کے باب صفۃ الصلاۃ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح مسلم کے حوالے سے ایک حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''أخرجه مسلم وله علة''

اس صحیح مسلم کی حدیث میں علت کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ [محمد وقاص زبیر، راولپنڈی]

الجواب: بلوغ المرام (ح ۲۱۵ بتحقیقی) والی روایت صحیح مسلم (۴۹۸) میں موجود ہے۔

حافظ ابن حجر کے نزدیک علت یہ ہے کہ حافظ ابن عبدالبر نے یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ (اس سند کے راوی) ابوالجوزاء نے عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے نہیں سنا۔ یعنی ابن عبدالبر کے نزدیک یہ روایت منقطع ہے۔ حافظ ابن عبدالبر کا یہ قول مرجوح ہے اور راجح یہی ہے کہ صحیح مسلم کی یہ روایت صحیح متصل ہے لہٰذا ''وله علة'' کہنا چنداں مضر نہیں ہے۔ [۱۰/ رمضان ۱۴۲۸ھ]

تمام گروہوں سے علیحدگی

سوال: جماعت اہل حدیث کے اندر مختلف گروہ ہیں۔ آپ کے خیال میں ان میں سے کون سا گروہ بہتر ہے؟ تاکہ اس میں شامل ہوا جائے یا نہ ہوا جائے۔ (ایک سائل)

جواب: تمام گروہوں سے علیحدہ رہ کر مسلک اہل حدیث پر عمل پیرا ہو کر اس کی دعوت دنیا میں پھیلائیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۵ ص ۲ [۱۸/ رمضان ۱۴۲۸ھ]

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

غیر ثابت قصے

پینسٹھواں (۶۵) قصہ: خلیفہ مہدی کی کبوتر بازی کا قصہ:

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اور حاکم نے المدخل الی کتاب الاکلیل میں روایت کیا ہے کہ ''خلیفہ مہدی کے پاس دس محدثین آئے جن میں الفرج بن فضالہ، غیاث بن ابراہیم اور دوسرے تھے، مہدی کو کبوتروں کا شوق تھا اور انھیں پسند کرتے تھے۔ تو غیاث بن ابراہیم ان کے پاس آیا، اُس سے کہا گیا: امیر المؤمنین سے حدیث بیان کرو۔ تو اس نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی کہ.... ''لا سبق إلا في حافر أو نصل'' مسابقت جائز نہیں مگر گھوڑے اور تیر اندازی میں۔ پھر اس میں (اپنی طرف سے) یہ اضافہ کر دیا کہ ''أو جناح'' یعنی یا پر (پرندہ اڑانے) میں، تو مہدی نے اسے دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ جب وہ چلا گیا تو خلیفہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ.....

اور اسے اس بات پر (گویا میں نے اپنے اس عمل کے ذریعے سے) آمادہ کیا، پھر کبوتر کو ذبح کر دینے کا حکم دیا (حاکم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ) کہا گیا: اے امیر المومنین! کبوتر کا کیا قصور؟ تو خلیفہ نے کہا اسی وجہ سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولا گیا۔

(تاریخ بغداد ۱۲/ ۳۲۳، المدخل ص ۱۰۰)

[جرح کا خلاصہ: یہ قصہ تین سندوں سے مروی ہے:

۱۔ داود بن رشید (تاریخ بغداد ۱۲/ ۳۲۴، المدخل الی کتاب الاکلیل ص ۵۵)

داود بن رشید سے اس قصے کا راوی ابو عبداللہ احمد بن کثیر بن الصلت مولیٰ آل العباس ہے جو کہ مجہول الحال ہے لہٰذا یہ قصہ داود بن رشید سے ثابت نہیں ہے۔

۲۔ احمد بن ابی خیثمہ زہیر بن حرب (المدخل ص ۵۵ وفی المطبوع تصحیفات)

احمد بن زہیر تک سند حسن ہے لیکن ابن ابی خیثمہ نے عباسی خلیفہ ابوعبداللہ محمد بن ابی جعفر المنصو رعبداللہ بن محمد بن علی الہاشمی (متوفی ۱۶۹ھ) کا زمانہ نہیں پایا۔ ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ ۲۰۰ھ کے قریب پیدا ہوئے تھے لہٰذا یہ سند منقطع ہونے کی وجہ سے ثابت نہیں ہے۔

۳۔ ابوخیثمہ زہیر بن حرب (تاریخ بغداد ۱۲/ ۳۲۳، ۳۲۴)

زہیر بن حرب ۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے تھے لہٰذا اس سند پر بھی انقطاع کا شبہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اس قصے کا راوی ابوالحسن علی بن الحسن بن علی بن الحسن ابن الرازی مختلف فیہ ہے۔ ازہری، ابن ابی الفوارس اور ابن الجوزی وغیرہم نے اس پر جرح کی جبکہ عتیقی اور صیمری نے اس کی توثیق وثنا کی۔ راجح یہی ہے کہ یہ راوی ضعیف ہے لہٰذا یہ قصہ زہیر بن حرب سے بھی ثابت نہیں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ غیاث بن ابراہیم النخعی کذاب راوی تھا۔ ابن معین نے فرمایا: غیاث کذاب ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۲۲۹۸) لیکن یہ قصہ غیاث مذکور اور خلیفہ مہدی دونوں سے ثابت نہیں ہے۔/ زع]

چھیاسٹھواں (٦٦) قصہ: اونٹ کے گوشت کھانے پر وضو کے حکم کے سبب کا قصہ:

مجاہد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے، آپ نے بدبو محسوس کی تو فرمایا: اس بدبو والا آدمی یہاں سے اٹھے اور وضو کرلے، تو کوئی بھی کھڑا نہ ہوا، یہاں تک کہ آپ نے تین بار یہ فرمایا پھر (چوتھی بار) آپ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ حق بات سے حیا نہیں فرماتا''

تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم سب کے سب کھڑے ہو جائیں اور وضو کرلیں؟

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم سب کے سب کھڑے ہو جاؤ اور وضو کرلو۔''

تخریج: کتاب ''الطھور'' لابی عبید (ح ۴۰۰) تاریخ دمشق (۳۶۰/۱۷) مصنف عبدالرزاق (۱۴۰/۱) ان تینوں کتابوں میں '' **واصل بن أبي جميل عن مجاهد** '' کی سند سے یہ روایت منقول ہے۔

جرح: یہ قصہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اور اس میں متن کے اعتبار سے بھی نکارت (منکر ہونا) ہے، اس میں دو علتیں ہیں:

پہلی علت: یہ روایت مرسل ہے۔

دوسری علت: واصل بن ابی جمیل ضعیف ہے۔

ابن معین نے اس کے بارے میں کہا: یہ کچھ بھی نہیں۔ (میزان الاعتدال ۳۲۸/۴)

ہمارے شیخ البانی نے '' السلسلۃ الضعیفہ '' (ح ۱۱۳۲) میں اسے صرف ابن عساکر کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد فرمایا:

'' یہ حدیث ضعیف ہے، علتوں کے ساتھ مسلسل ہے (جیسے) مجاہد کا مرسل روایت بیان کرنا۔ واصل بن ابی جمیل اور بابلتی کا ضعف۔ '' پھر اس کے متن کی نکارت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

'' عوام اور انھی کی طرح کے بعض خواص بھی اس جیسی حدیث کو ترویج دیتے ہیں، ان کا یہ خیال ہے کہ نبی ﷺ ایک دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔

اس دوران میں کسی کی ریح خارج ہوئی تو آپ ﷺ تمام لوگوں کے درمیان سے اُسے کھڑا کرنے سے شرمائے۔ اس نے اونٹ کا گوشت کھا رکھا تھا تو آپ ﷺ نے اس کی پردہ پوشی کے لئے فرمایا: جس نے اونٹ کا گوشت کھا رکھا ہو وہ وضو کر لے۔ تو ایک جماعت کھڑی ہوئی جنھوں نے اونٹ کا گوشت کھا رکھا تھا، انھوں نے وضو کیا۔

حالانکہ میری معلومات کی حد تک کتبِ حدیث اسی طرح کتب فقہ وتفسیر میں بھی اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اس قصہ کے روایت کرنے والوں پر اس کا بڑا ہی بُرا اثر ہے اس لئے کہ یہ انھیں اونٹ کے گوشت کھانے پر نبی ﷺ کا حکم وضو کرنے سے روک رہی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ثابت ہے۔ لوگ اس صحیح وصریح حکم کو اس طرح ٹال رہے ہیں کہ وضو کا یہ حکم تو ایک

آدمی کی پردہ پوشی کے لئے تھا۔اس قصہ کے عقل سلیم وشرع قویم سے بُعد کے باوجود (بعض) لوگ کس طرح اس قسم کے قصوں کا خیال کرتے ہیں اوران پر یقین رکھتے ہیں؟ اگر یہ تھوڑا سا بھی اس پر غور کریں تو ہماری بات ضرور ان پر واضح ہو جائے۔'' الخ

اس قسم کا ایک قصہ موقوفاً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۹۲/۲ ح ۲۲۱۴)

''**ثنا معاذ بن المثنی: ثنا مسدد: ثنا یحیی عن مجالد: ثنا عامر عن جریر** ''

کی سند سے ... الخ

[تنبیہ: اس سند میں مجالد بن سعید مشہور ضعیف راوی ہے۔ جمہور محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے انوار الصحیفۃ فی الاحادیث الضعیفۃ (ص ۶۰۶) لہٰذا یہ موقوف روایت بھی ثابت نہ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔]

سڑسٹھواں (٦٧) قصہ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پہلے خطبۂ جمعہ کا قصہ:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلافت کے والی بنے تو پہلے جمعہ کو منبر پر چڑھے اور خطبہ ارشاد فرمایا: ''الحمد للہ'' اس کے بعد آپ کے لئے بولنا دشوار ہو گیا تو فرمایا: ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اس مقام پر بڑی گفتگو فرمایا کرتے تھے، تم لوگ امام قوّال (بہت زیادہ بولنے والے امام) سے زیادہ امام فعّال (زیادہ کام کرنے والے امام) کی ضرورت رکھتے ہو اور خطبے تمھارے لئے بعد میں ہوتے رہیں گے، میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمھارے لئے مغفرت طلب کرتا ہوں پھر منبر سے اترے اور انھیں نماز پڑھائی۔

قصہ کی شہرت اور اس پر مبنی احکام:

یہ قصہ بڑا مشہور ہے بالخصوص کتب فقہ اور کتب فقۂ حنفیہ میں اس قصے کی طرف اشارہ موجود ہے۔ علامہ مرغینانی نے (الہدایہ ۵۸/۱۰ میں) اور ابن الہمام نے شرح فتح القدیر (۶۰/۲) میں اسے مفصلاً نقل کیا، عینی نے البنایہ (ج ۸۰۹/۲) کاسانی حنفی نے بدائع الصنائع (۲۶۲/۲) اور شرنبلالی نے مراقی الفلاح (ص ۸۹) میں اسے بیان کیا ہے۔

اس قصے کا ذکر صرف کتبِ حنفیہ میں ہی نہیں بلکہ محمود خطاب السبکی نے بھی ''الدین الخالص''

(۱۹۸/۴) میں اس کا ذکر کیا ہے۔اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت بیان کرنے والے ہمارے بعض معاصرین نے بھی یہ قصہ بیان کیا ہے، جیسے محمد رضا نے اپنی کتاب ''ذوالنورین عثمان بن عفان'' (ص ۳۴) میں بیان کیا ہے۔احناف اس قصے کو اُس بات کے لئے بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں جس کی طرف امام ابوحنیفہ اپنے صاحبین اور جمہور اہل علم کے برخلاف گئے ہیں۔وہ یہ کہ اگر امام خطبۂ جمعہ میں صرف ایک کلمہ کہہ دے خواہ ایک تسبیح (سبحان اللہ) تو یہ اس کے لئے کفایت کرے گی۔

جبکہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ کفایت نہیں کرتا جب تک کہ امام لوگوں سے اس قدر کلام نہ کرے کہ جسے خطبے کا نام دیا جاتا ہے۔

[صاحبین کےحوالے کے لئے مذکورہ مصادر کے علاوہ دیکھئے فتاویٰ عالمگیری (۱۴۶/۱) الجامع الصغیر (ص ۱۱۳) مع شرح النافع الکبیر.....النتف فی الفتاویٰ (۹۳/۱) للسعدی، جمہور کے حوالہ کے لئے دیکھئے بیہقی کی الخلافیات مسئلہ نمبر (۱۶۴) اور اس پر ہماری تعلیقات۔امام بیہقی رحمہ اللہ نے بہت سی دلیلوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ جمہور کا مذہب ہی صحیح اوردرست ہے]

تو جولوگ اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ جیسی رائے رکھتے ہیں، وہ اس قصہ سے استدلال کرتے ہیں اوراس سے یہ توجیہ پیش کرتے ہیں کہ دیکھو جی ''یہ خطبہ مہاجرین وانصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوا، انھوں نے اس کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔حالانکہ وہ لوگ تو امر بالمعروف ونھی عن المنکر کی صفت سے متصف تھے۔(اس کے باوجود انھوں نے کوئی نکیر نہیں فرمائی) تو یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا۔'' (بدائع الصنائع ۲۶۲/۵) اسی طرح ان کتب حنفیہ میں بھی (لکھا ہوا) ہے جن میں یہ قصہ مذکور ہے۔

قصہ کا رد اور بیانِ ضعف:

اس قصہ کو بہت سے علماء ومحدثین نے رد فرمایا اور یہ سب احناف میں سے ہیں لیکن یہ اُن لوگوں میں سے ہیں جو علم حدیث میں سبقت لئے ہوئے تھے۔تو لیجئے ان کے کلام کے بعض

حصے ملاحظہ فرمائیں:

① علامہ زیلعی حنفی نے فرمایا:..... یہ قصہ غریب ہے اور کتب فقہ میں مشہور ہے.......امام قاسم بن ثابت السرقسطی نے اپنی کتاب غریب الحدیث میں اِسے بغیر سند کے ذکر کیا ہے...

(نصب الرایہ ۲/۱۹۷)

② ابن الہمام نے شرح فتح القدیر (۲/۶۰) میں اسی طرح کہا، یہ ان کی عبارت ہے: ''عثمان رضی اللہ عنہ کا قصہ کتب حدیث میں معروف نہیں بلکہ کتب فقہ میں ہے۔''

③ ملا علی قاری نے ''الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ'' (ص ۲۵۸ ح ۳۳۰) میں ابن الہمام کا کلام نقل کیا اور ان سے اتفاق کیا۔

اور ان لوگوں میں جنھوں نے اس قصہ کا رد کرتے ہوئے کلام فرمایا، ان کا کلام علامہ زیلعی کے کلام کی طرح ہے، ان میں علامہ عینی بھی ہیں۔

④ عینی نے البنایہ (۲/۸۰۹) میں زیلعی کا کلام نقل کیا اور یہ بھی بتایا کہ اس قصہ کو سراج نے اور حنفیہ میں سے صاحب المحیط نے ذکر کیا ہے۔

شیخ مشہور حسن فرماتے ہیں: اسانید پر بحث و تلاش کے باوجود بھی میں ان الفاظ میں اس قصہ کو پانے میں کامیاب نہیں ہوا۔ البتہ اس سے ملتا جلتا قصہ باسند مجھے ملا لیکن اس میں وہ ''نکارت'' نہیں پائی جاتی جو اس قصہ میں ہے۔ پہلے ہم اسانید ذکر کریں گے پھر جو ضروری ہوا اس پر اپنی تعلیقات لگائیں گے۔ لیجئے سنیے:

ابن شبہ نے تاریخ المدینہ (۳/۹۵۷) میں کہا: ''**حدثنا الصلت بن مسعود قال: حدثنا أحمد بن شبويه عن سليمان بن صالح عن عبدالله بن المبارك عن جرير بن حازم قال:** '' جریر بن حازم نے کہا: جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی تو وہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: امابعد! جو کچھ کلام ہے وہ ان شاء اللہ بعد میں ہوگا۔

ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ (۳/۶۲) میں کہا: '' **أخبرنا محمد بن عمر قال: حدثني إسماعيل بن إبراهيم ابن عبدالرحمٰن بن عبدالله بن أبي ربيعة**

المخزومي عن أبيه ''ابراہیم بن عبدالرحمٰن ......نے کہا: جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی تو آپ لوگوں کی طرف آئے، اُن سے خطاب فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا: اے لوگو! پہلی سواری مشکل ہوتی ہے، آج کے بعد بہت سے ایام میں اگر میں زندہ رہا تو تمھارے سامنے خطبہ اُس کے طرز پر ہوگا۔ ہم خطیب تو نہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہمیں سکھلا دے گا۔

یہاں تین امور کا ذکر مناسب ہے:

۱) سابقہ دونوں روایتوں کی سندوں کا ضعف

ابن سعد کی سند میں (محمد بن عمر) الواقدی ہے اور یہ متروک راوی ہے۔ ابراہیم بن عبدالرحمٰن سے متعلق ابن القطان (الفاسی) نے کہا: اس کا حال معروف نہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ مشہور ثقہ ہیں۔ حاکم نے ان کی احادیث کو صحیح قرار دیا اور بخاری نے صحیح بخاری میں ان سے روایت لی ہے مگر یہ کہ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا لہٰذا یہ سند منقطع ہے۔ ابراہیم کے حالات کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (۱۳۳/۲)

رہی ابن شبہ کی سند تو اس میں ''صلت'' گو ثقہ راوی ہیں اگرچہ بعض اوقات انھیں وہم ہو جاتا تھا....

[راجح یہی ہے کہ صلت بن مسعود ثقہ حسن الحدیث ہیں اور احمد بن محمد بن ثابت عرف احمد بن شبویہ بھی ثقہ ہیں لیکن یہ روایت سخت منقطع ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ جریر بن حازم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ بالکل نہیں پایا بلکہ وہ بہت بعد میں پیدا ہوئے تھے۔/ ز ع]

۲) یہ قصہ دو وجہ سے منکر ہے:

پہلی وجہ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بھی مروی ہے کہ جب آپ کی بیعت ہوئی تو آپ نے مفصل خطبہ ارشاد فرمایا: ابن جریر نے اپنی تاریخ (۲۴۳/۴) میں بیان کیا۔ اس کی سند میں بھی کلام ہے اور یہ اس قصہ کے خلاف ہے کہ آپ کے لئے خطبہ دینا مشکل ہو گیا۔

[یاد رہے کہ ابن جریر والی روایت بھی مردود ہے جس کی طرف مشہور حسن صاحب نے اشارہ کر دیا ہے۔]

دوسری وجہ: اس گھڑے ہوئے قصے میں عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بات وارد ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''تم لوگوں کو قوال (بہت زیادہ بولنے والے) امام سے زیادہ امام فعّال کی ضرورت ہے'' اگر یہ بات صحیح سند سے ان سے ثابت ہوتی تو اس میں اپنے سے پہلے خلفاء کی توہین وتنقیص ہے اور یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں محال ہے۔ یہ بات اس تاویلِ بعید سے اولیٰ ہے جو عینی نے البنایہ (۸۰۹/۲) میں محیط سے نقل کی ہے کہ اس بات سے ان کی مراد یہ تھی کہ خلفائے راشدین کے بعد آنے والے خطباء باوجود بُرے اعمال کے بہت زیادہ بولنے والے ہوں گے، اگر میں ان جیسا نہ بنوں تو میں بھلائی پر ہوں اور شر سے دور ہوں گا۔ اس سے یہ مراد لیا جائے کہ وہ خود کو شیخین (ابوبکر وعمر) رضی اللہ عنہما سے افضل سمجھتے تھے تو ایسا نہیں ہے۔ شیخ مشہور حسن کہتے ہیں: جب یہ قصہ ثابت ہی نہیں تو ہمیں اس دور از کار تاویل کی ضرورت نہیں کہ جس میں ایک قسم کے علمِ غیب کا دعویٰ ہے (کہ آئندہ آنے والے خطباء ایسے ہوں گے۔)

۳) اگر ہم اس قصے کا صحیح ہونا بھی فرض کرلیں تو جو کچھ ابن شبہ اور ابن سعد نے نقل کیا اس میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ جمعہ کا دن تھا اور خطبۂ جمعہ تھا......اس قصے پر اعتماد کرنا اور اس سے اس بات پر حجت پکڑنا کہ ''ایک ہی کلمہ'' کو خطبہ کا نام دینا صحیح ہے۔ نیز اس سے خطیب پر خطبہ واجبہ کی ذمہ داری ادا ہو جاتی ہے۔ تو اس مبارک دن جمعہ سے متعلق وہ باتیں صحیح ترین اقوال کے مطابق کسی بھی طرح سے درست نہیں۔

[تنبیہ: ہماری تحقیق میں اس قسم کے فلسفیانہ کلام اور بال کی کھال اتارنے والی بحثوں سے بہتر صرف یہ ہے کہ روایت کا ضعیف ومردود ہونا ثابت کرکے اسے دُور پھینک دیا جائے۔ قصہ صحیح ہوتا تو یہ ہوتا وہ ہوتا، کہنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ یہی کافی ہے کہ یہ قصہ صحیح وثابت نہ ہونے کی وجہ سے مردود ہے اور بس. ! / زع]

اڑسٹھواں (۶۸) قصہ: امام مالک پر گھڑا ہوا ایک قصہ:

حافظ ابن حجر العسقلانی نے لسان المیزان (۳۰۴/۶، ۳۰۵) میں کہا:

" قرأت بخط الحافظ قطب الدين الحلبي مانصه :و سيدى أبي عبدالرحمٰن ابن عمر بن محمد بن سعيد و جدت بخط (يد) عمي بكربن محمد بن سعيد: حدثنا يعقوب بن إسحاق بن حجر العسقلاني إملاءً قال :ثنا إبراهيم ابن عقبة: حدثنى المسيب بن عبدالكريم الخثعمي: حدثتني أمة العزيز امرأة أيوب بن صالح صاحب مالك ، قالت: " إلخ

ایوب بن صالح کی زوجہ امۃ العزیز نے کہا:

ہم نے مدینہ میں ایک خاتون (کی میت) کو غسل دیا تو ایک عورت نے (دورانِ غسل میں) اس کی سرین پر ہاتھ مار کر کہا: میں نے تجھے بدکار یا لواطت کرنے والی پایا ہے، تو اس کا ہاتھ اس مردہ عورت کی سرین کے ساتھ چپک گیا۔ لوگوں نے امام مالک کو اس کی خبر دی تو انھوں نے فرمایا: یہ (مردہ) عورت اپنی حد طلب کر رہی ہے۔ لوگ جمع ہوئے تو امام مالک نے حد قائم کرنے کا حکم دیا، اُس تہمت لگانے والی عورت کو اُناسی (۷۹) کوڑے مارے گئے تو اُس کا ہاتھ علیحدہ نہ ہوا، جب پورے اسی کوڑے مارے گئے تو اس کا ہاتھ الگ ہوا، پھر اُس مردہ عورت پر نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور اُسے دفن کر دیا گیا۔

جرح: یہ قصہ جھوٹا ہے اور امام مالک پر گھڑا ہوا ہے۔ اس کی سند میں یعقوب بن اسحاق عسقلانی ہے۔ ذہبی نے میزان (۴۴۹/۶) میں اسے ذکر کیا اور کہا: ''یہ کذاب ہے'' اور حافظ ابن حجر نے لسان المیزان (۳۰۴/۶) میں یہ قصہ بیان کرنے سے پہلے فرمایا: میں نے اس کی ایک حکایت پائی جو اس کی اپنی گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور اس کے بعد انھوں نے یہ قصہ نقل کیا ہے۔

انہترواں (۶۹) قصہ: امام شافعی پر گھڑا ہوا ایک قصہ:

عبداللہ بن محمد البلوی نے امام شافعی کے عراق تشریف لانے کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے دونوں پیروں میں بیڑیاں تھیں۔ یہ پیر کے دن شعبان کی ۱۱ تاریخ ۱۸۴ھ کا قصہ ہے۔ ابو یوسف اُن دنوں قاضی القضاۃ تھے اور محمد بن حسن الشیبانی مظالم کے

قاضی تھے۔ان دونوں نے امام شافعی سے متعلق وہی کہا جو علویوں (آلِ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے معتقدین) کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا تھا کہ امام شافعی کا یہ گمان ہے کہ وہ اس امرِ خلافت کے ہارون الرشید سے زیادہ حقدار ہیں اور یہ ایسے علم کے مدعی ہیں جن کا سنت میں کوئی ذکر نہیں، وہ چرب زبان اور چالاک بھی ہیں۔

قصہ کا بیانِ ضعف اور رَد: اس قصہ سے کذب وافتراء کی بدبو پھیل رہی ہے، صحت کے اعتبار سے اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ابن حجر عسقلانی نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا:

''اس قصہ کو آبری اور بیہقی وغیر ہما نے طوالت واختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اور فخر الدین الرازی نے ان دونوں پر اعتماد کرتے ہوئے اسے اپنی کتاب ''مناقب الشافعی'' (ص ۲۳) میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے۔یہ جھوٹا قصہ ہے، اس کا اکثر حصہ گھڑا ہوا ہے اور بعض حصہ گھڑی ہوئی روایت پر مبنی ہے، اس کا واضح ترین جھوٹ تو یہ بات ہے کہ ابو یوسف اور محمد بن حسن نے ہارون الرشید کو امام شافعی کے قتل پر اکسایا۔یہ بات درج ذیل وجہ سے باطل ہے:

ابو یوسف امام شافعی کے بغداد میں داخل ہونے سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے، ان کی تو امام شافعی سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔

.....اور جو کچھ طرقِ صحیحہ سے ہمارے لئے واضح ہوتا ہے وہ یہ کہ امام شافعی جب پہلی بار بغداد تشریف لائے تو یہ ۱۸۴ھ کی بات ہے۔قاضی ابو یوسف تو اس سے دوسال پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ [لہٰذا یہ قصہ بے اصل ہے۔]

ستر واں (۷۰) قصہ: امام شافعی رحمہ اللہ پر گھڑا ہوا ایک اور قصہ:

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۱۲۳/۱) میں لکھا ہے کہ'' **أخبرنا القاضي أبو عبداللّٰه الحسين بن علي بن محمد الصيمري قال :أنبأنا عمر بن إبراهيم المقرئ قال :نبأنا مكرم بن أحمد قال :نبأناعمر بن إسحاق بن إبراهيم قال:نبأنا علي بن ميمون قال :سمعت الشافعي يقول :..... '' إلخ**

علی بن میمون سے روایت ہے کہ میں نے امام شافعی کو یہ فرماتے ہوئے سنا:''میں ابوحنیفہ

سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور روزانہ اُن کی قبر پر (زیارت کے لئے) آتا ہوں۔ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں دو رکعتیں نماز پڑھ کر ان کی قبر پر آتا ہوں اور ان کے ہاں اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرتا ہوں......

جرح: یہ قصہ باطل ہے۔ اس کی سند میں عمر بن اسحاق بن ابراہیم مجہول راوی ہے۔ ....(یہاں بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ) کوثری کی اس بات کی طرف توجہ نہ دی جائے (جو اس نے کہی ہے) کہ امام شافعی کا امام ابوحنیفہ سے توسل (وسیلہ) اختیار کرنا صحیح سند کے ساتھ تاریخ الخطیب کے اوائل میں مذکور ہے۔ (دیکھئے مقالات الکوثری ص ۳۸۱)

[تنبیہ: کوثری کی یہ بات مردود ہے کیونکہ عمر بن اسحاق بن ابراہیم مجہول ہے۔ مجہول کی روایت صحیح نہیں بلکہ ضعیف و مردود ہوتی ہے۔ مشہور حسن کے استاذ شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے بھی عمر بن اسحاق کو غیر معروف قرار دیتے ہوئے اس روایت کو رد کر دیا ہے۔ دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ (۳۱/۱)]

اکہتر واں (۷۱) قصہ: امام احمد رحمہ اللہ کی وفات کے وقت کا قصہ

امام احمد کے پڑوسی الورکانی سے مروی ہے کہ ''جس دن امام احمد فوت ہوئے تو چار گروہوں میں ماتم اور نوحہ ہوا۔ یہودیوں، نصرانیوں اور مجوسیوں میں سے اس دن بیس ہزار لوگوں نے اسلام قبول کیا۔'' ظفر (نامی راوی) کی روایت میں ہے یہود، نصاریٰ اور مجوسیوں میں سے دس ہزار لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

تخریج: مقدمۃ الجرح والتعدیل (ص ۳۱۳) تاریخ بغداد (۴۲۳/۴) حلیۃ الاولیاء (۱۸۰/۹) مناقب احمد لابن الجوزی (ص ۴۱۹ تا ۴۲۰) تہذیب الکمال (۴۶۸/۱) سیر اعلام النبلاء (۳۴۳/۱۱) بسند .... ''**حدثني أبو بكر محمد بن عباس المكي: سمعت الوركاني جار أحمد بن حنبل ـ قال :...... إلخ**''

جرح: یہ قصہ صحیح نہیں ہے۔ بعض اہلِ علم نے اس قصے پر جرح کی اور اس کے ضعف پر سب سے زیادہ توجہ حافظ ذہبی نے دی، آپ نے اپنی بہت سی کتب میں اس قصے کے بطلان پر

کلام فرمایا ہے۔

[اس کے بعد مشہور حسن صاحب نے ذہبی وغیرہ کی فلسفیانہ قسم کی عبارتیں نقل کیں۔ مختصراً عرض ہے کہ اس قصے کا راوی الورکانی مجہول ہے لہٰذا یہ قصہ باطل و مردود ہے۔ یہ وہ محمد بن جعفر الورکانی نہیں جو امام احمد رحمہ اللہ کی وفات سے بہت پہلے ۲۲۸ھ میں فوت ہو گئے تھے۔]

بہترواں (۷۲) قصہ: ابن جریر الطبری رحمہ اللہ کے ساتھ حنابلہ کا قصہ:

یاقوت الحموی نے عبدالعزیز بن ہارون سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ

''ابن جریر کے طبرستان سے بغداد آنے کے بعد بعض حنابلہ اور دیگر لوگوں نے اُن سے تعصب کیا۔ جب ابو عبداللہ الجصاص (المتوفی ۳۱۵ھ) جعفر بن عرفہ اور البیاضی (المتوفی ۲۹۴ھ) نے ان کے ساتھ تعصب کیا تو حنابلہ (کچھ سوچ کر) ان کے پاس آئے اور جمعہ کے دن جامع مسجد میں ان سے احمد بن حنبل اور ''عرش پر بیٹھنے والی روایت'' کے متعلق سوال کیا تو ابو جعفر ابن جریر طبری نے جواب دیتے ہوئے کہا:

جہاں تک احمد بن حنبل کا معاملہ ہے تو ان کا (کسی مسئلہ میں) اختلاف کسی شمار میں نہیں۔

حنابلہ نے کہا: علماء نے فقہاء کے اختلاف بیان کرنے میں ان کے اقوال کا بھی ذکر کیا ہے، تو ابن جریر نے جواب دیا کہ میں نے نہیں دیکھا کہ ان کے اقوال (اختلاف میں) روایت کئے گئے ہوں اور نہ ان کے ایسے شاگردوں کو دیکھا کہ جن پر اس سلسلہ میں اعتماد کیا جائے۔

باقی رہی عرش پر بیٹھنے والی روایت تو یہ محال ہے، پھر یہ شعر کہے:

سبحان من لیس له أنیس ولا له فی العرش جلیس

پاک ہے وہ ذات جس کا کوئی ساتھی نہیں اور نہ کوئی اس کے ساتھ عرش پر بیٹھنے والا ہے۔

جب حنابلہ اور اصحاب الحدیث نے یہ سنا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے.....

کہا گیا کہ وہ ہزاروں لوگ تھے۔ ابن جریر خود کھڑے ہوئے اور اپنے گھر میں داخل ہو گئے تو ان لوگوں نے آپ کے گھر پر پتھراؤ کر دیا حتیٰ کہ ان کے گھر کے دروازے پر ان پتھروں کا ایک بہت بڑا ٹیلہ بن گیا۔ جب پولیس افسر نازوک کو اطلاع ملی تو وہ ہزاروں (پولیس والوں)

کے لشکر کو لے کر وہاں پہنچا، عوام کو ابن جریر تک پہنچنے سے روکا، ایک دن و رات تک وہاں ان کے دروازے پر ٹھہرا رہا اور ان کے دروازے پر سے پتھر ہٹانے کا حکم دیا۔ ابن جریر نے اپنے دروازے پر یہ شعر لکھوا رکھا تھا: **سبحان من ليس له أنيس ....**

نازوک نے اسے مٹانے کا حکم دیا اور بعض اصحاب الحدیث نے یہ اشعار لکھے:

بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بلند مقام ہے۔ جب وہ رحمٰن کے پاس (قیامت کے دن) قاصد بن کر آئیں گے تو اللہ انھیں اپنے قریب کرے گا اور عزت سے بٹھائے گا، حسد کرنے والے کے حسد کے باوجود۔ عرش پر جسے خوشبو سے ڈھانک دے گا...... اُن کا یہ خاص مقام ہے بے شک اسی طرح لیث (بن ابی سُلیم) نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔

(اس کے بعد) ابن جریر اپنے گھر میں تنہا رہے، انھوں نے اپنی مشہور کتاب ''الاعتذار'' لکھی جس میں احمد بن حنبل کا عقیدہ و مذہب بیان کیا اور اس کے برخلاف رائے رکھنے والوں پر جرح کی۔ وہ کتاب ان بلوائیوں کو پڑھ کر سنائی۔ احمد بن حنبل کا مذہب بیان کیا اور ان کے عقیدہ کے درست ہونے کا بیان کیا، مرتے دم تک وہ اس پر قائم رہے اور اپنی موت تک اختلاف میں کوئی کتاب نہ نکالی، لوگوں نے ان (کی موت) کے بعد ان کی کتاب ''اختلاف الفقہاء'' کو مٹی میں مدفون پایا تو اسے نکالا اور شائع کر دیا، اسی طرح میں نے ایک جماعت سے سنا جن میں میرے والد صاحب بھی شامل ہیں۔ (معجم الادباء ۱۸/ ۵۷ تا ۵۹)

[تنبیہ: اس قصے پر جرح کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سارا قصہ بے سند ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے۔ عبدالعزیز بن ہارون اور یعقوب الحموی کا باپ دونوں مجہول الحال ہیں، دونوں کی ایک دوسرے سے ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ عبدالعزیز بن ہارون کی ابن جریر سے ملاقات کا کوئی ثبوت ہے۔ تاریخ ہو یا دین کے مسائل سب میں صحیح و حسن لذاتہ سند کا ہونا ضروری ہے۔/ زع]

قارئینِ کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ محترم محمد صدیق رضا حفظہ اللہ نے جو غیر ثابت قصوں کا ترجمہ شروع کیا تھا اس کا ایک حصہ اختتام پزیر ہوا۔ والحمد للہ (ختم شد)

ابنِ بشیر الحسینوی

عدت کے احکام

ہم انتہائی اختصار کے ساتھ عدت کے احکام، کتاب وسنت اور اجماع کی روشنی میں ہدیۂ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل کو خالص اپنی رضا کے لئے بنائے اور اسے میرے لئے، میرے والدین اور اساتذہ کے لئے درجات کی بلندی کا سبب بنائے۔ (آمین)

عدت کی تعریف: شرعی اعتبار سے ایک محدود مدت کے لئے عورت کا شادی سے رکے رہنا (عدت کہلاتا ہے۔) عدت کی حکمت یہ ہے کہ یہ درحقیقت ایک نکاح کامل کے خاتمہ پر اس کے تقدس اور احترام کی رعایت ہے اور ساتھ ہی استبراء رحم ہے تاکہ جس نے اس عورت سے جدائی اختیار کی ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس سے صحبت نہ کرے کہ مبادا اس سے پیدا ہونے والے بچے میں اشتباہ واختلاط پیدا ہو جائے اور حسب ونسب کا ضیاع لازم آجائے۔ عدت میں پہلے عقد نکاح اور پہلے شوہر کے حق میں احترام وتقدس ہے اور ایک طرح سے اس کی جدائی پر تاثرات کا اظہار ہے۔ (خواتین کے دینی مسائل از صالح بن فوزان ص ۱۳۹)

عدت کی مختلف قسموں کا بیان

۱۔ طلاق کی وجہ سے حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾

حمل والیوں کی مدت (عدت) وضع حمل ہے۔ (الطلاق:۴)

امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اجماع ہے کہ ہر قسم کی طلاق شدہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے، خواہ مطلقہ قابلِ رجعت ہو یا غیر، آزاد ہو یا لونڈی، آقا کی موت کے بعد آزادی سے مشروط ہو یا لکھت شرط پر۔'' (کتاب الاجماع: ۴۴۵)

۲۔ بیوہ کی عدت حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل ہے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدہ سُبَیعہ اسلمیہ کے شوہر شہید کر دیئے گئے اور وہ اس وقت حاملہ تھیں، شوہر کی وفات کے چالیس دن بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا پھر ان کے پاس نکاح کا پیغام پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح کرا دیا۔''

(بخاری:۴۹۰۹، مسلم:۱۴۸۵)

امام ابن المنذر فرماتے ہیں: ''اجماع ہے کہ وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہے اور وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت حمل ساقط ہو جانے (بچہ گر جانے) سے ختم ہو جاتی ہے۔''

(کتاب الاجماع:۴۴۶)

فائدہ(۱): امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**فلا أری بأسًا أن تتزوج حین و ضعت ، وإن کانت في دمھا، غیر أنه لا یقربھا زوجھا حتی تطھر**'' میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ عورت شادی کرے اور اسے ابھی (نفاس کا) خون آ رہا ہو۔ البتہ جب تک وہ پاک نہ ہو جائے تو اس کا شوہر اس کے قریب نہ جائے۔''

(صحیح مسلم بعد ح۱۴۸۴)

حافظ ابن حبان فرماتے ہیں: حاملہ عورت وضع حمل کے بعد (اگر چاہے تو) شادی کر لے خواہ وہ بہت تھوڑی مدت ہو۔ (صحیح ابن حبان قبل ح ۴۲۸۵ دوسرا نسخہ قبل ح ۴۲۹۹)

فائدہ (۲): امام ابن المنذر فرماتے ہیں: ''اجماع ہے کہ عورت کو اگر شوہر کی جانب سے طلاق، یا شوہر کی وفات کی خبر نہ ہو تو بھی وضع حمل کے بعد اس کی عدت گزر جاتی ہے۔''

(کتاب الاجماع:۴۴۷)

۳۔ وہ مطلقہ عورت جس کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت تین حیض سے ختم ہو جاتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾

طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین قروء (حیض) تک روکے رکھیں۔ (البقرۃ:۲۲۸)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ﴾

سورۃ البقرۃ (۲۲۸) میں ''خلق اللّٰہ'' سے امام بخاری نے حیض اور حمل مراد لیا ہے۔
(صحیح بخاری قبل ح ۵۳۲۹)

وہ بیوہ عورت جو ابھی حاملہ نہیں ہے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا﴾ تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن عدت میں رکھیں۔ (البقرۃ:۲۳۴)

امام ابن المنذر رفرماتے ہیں: ''اجماع ہے کہ آزاد مسلمان بیوی کی عدت جو اپنے شوہر کی وفات کے بعد بحالتِ حمل نہ ہو چار مہینے دس دن ہے خواہ رخصتی شدہ ہے یا غیر، چھوٹی ہو یا بڑی۔'' (کتاب الاجماع رقم:۴۴۱)

۵۔ وہ عورتیں جن کو حیض نہ آتا ہو ان کی عدت تین مہینے ہے ایسی عورتیں دو طرح کی ہیں:

(۱) کم سن یعنی وہ چھوٹی عمر کی لڑکیاں جن کو ابھی حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا۔

(۲) عمر دراز جو حیض سے نا امید ہو چکی ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ﴾

تمھاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے نا امید ہو گئی ہوں اگر تمھیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنھیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو۔ (الطلاق:۴)

امام ابن المنذر رفرماتے ہیں: ''اجماع ہے کہ طلاق شدہ کم سِن یا بالغہ بیوی کو جسے ابھی حیض نہیں آیا وہ عدت کے تین ماہ پورے ہونے سے ایک آدھ روز پہلے بھی حیض آجائے، تو وہ از سرِ نو حیض کے اعتبار سے عدت گزارے گی۔ (کتاب الاجماع:۴۴۸)

۶۔ طلاق شدہ حائضہ لونڈی کی عدت دو حیض ہے۔ اس پر امام ابن المنذر رنے اجماع نقل کیا ہے۔ (دیکھئے کتاب الاجماع:۴۵۴)

۷۔ حاملہ لونڈی کی عدت (آزاد حاملہ عورت ہی کی طرح) وضع حمل ہے، اس پر امام ابن المنذر ر

نے اجماع نقل کیا ہے۔ (کتاب الاجماع:۴۵۵)

۸۔ غیر حائضہ لونڈی جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو تو اس لونڈی کی عدت دو ماہ پانچ راتیں ہیں۔اس پر امام ابن المنذر ؒ نے اجماع نقل کیا ہے۔ (کتاب الاجماع:۴۵۶)

۹۔ مسلمان کے عقد میں رہنے والی ذمی عورت کی عدت آزاد مسلمان (عورت) کی عدت کے برابر ہے۔اس پر امام ابن المنذر ؒ (کتاب الاجماع:۴۵۲) نے اجماع نقل کیا ہے۔

۱۰۔ بیوی کو قابل رجعت طلاق دینے والا شوہر انتہائے عدت سے پہلے فوت ہو جائے تو بیوی وفات کی عدت گزارے گی اور شوہر کی وارث ہوگی۔اس پر ابن المنذر ؒ نے اجماع نقل کیا ہے۔ (کتاب الاجماع:۴۵۰)

۱۱۔ حالت نفاس میں طلاق شدہ عورت نفاس کے بعد عدت نہیں گزارے گی بلکہ حیض کے ذریعے سے عدت شروع کرے گی۔اس پر امام ابن المنذر ؒ نے اجماع نقل کیا ہے۔

(کتاب الاجماع:۴۴۹)

۱۲۔ وہ عورت جو نئی مسلمان ہوئی ہے اس کی عدت ایک حیض ہے، جب اسے ایک حیض آجائے تو پھر اس کی شادی کرنا جائز ہے۔

اگر اس عدت میں اس کا پہلا خاوند بھی مسلمان ہو جائے تو پھر اس عورت کو اس کے پہلے خاوند کی طرف لوٹایا جائے گا۔(صحیح بخاری:۵۲۸۶، ابن ابی شیبہ:۱۸۸۱۳)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ''جمہور علماء کا یہی موقف ہے کہ نئی مسلمان ہونے والی عورت بھی اپنی عدت آزاد عورت کی طرح تین حیض پورے کرے کیونکہ اب وہ بھی آزاد ہو چکی ہے۔''

(فتح الباری ۵۲۲/۹)

۱۳۔ اگر غیر حاملہ عورت کو ایک یا دو طلاقیں ہوئیں اور دورانِ عدت میں اس کا خاوند فوت ہو گیا تو وہ متوفی عنہا زوجھا کی عدت (چار مہینے دس دن) گزارے گی۔جس دن اس کا خاوند فوت ہوا اسی دن سے اس کی عدت شمار کی جائے گی اور وہ عورت اس کی وارث بھی بنے گی۔

۱۴۔ مفقود الخبر (وہ عورت جس کا خاوند گم ہو گیا ہے) وہ چار سال تک اس کے آنے کا انتظار کرے گی اگر وہ نہ آئے تو اپنے خاوند کو فوت شدہ تصور کر کے بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن گزار کر پھر دوبارہ شادی کر سکتی ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول اسی کا مؤید ہے۔ (دیکھئے موطأ امام مالک ۲/ ۵۷۵ ح ۱۲۱۲، وھو صحیح)

امام ابن المنذر رفرماتے ہیں: ''اجماع ہے کہ گم شدہ شوہر کی بیوی پر چار سال گزر جانے کے بعد چار مہینے دس دن عدت کے مصارف بھی شوہر ہی کے مال سے لئے جائیں گے۔

(کتاب الاجماع: ۴۷۰)

۱۵۔ جس دن عورت کو طلاق ملی یا جس دن اس کا خاوند فوت ہوا تو اسی دن سے عدت شمار کی جائے گی۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

(دیکھئے معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۶/ ۱۴۱ ح ۴۶۳۳ وسندہ صحیح، السنن الصغریٰ للبیہقی: ۲۹۶۴)

۱۶۔ خلع والی عورت کی عدت ایک حیض ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان سے خلع لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ ایک حیض عدت گزارے۔

(ابوداود: ۲۲۲۹، ترمذی: ۱۱۸۵، وقال حسن غریب وسندہ حسن)

امام اسحاق (بن راہویہ) نے کہا کہ ''اگر کوئی اس موقف (یعنی خلع والی عورت کی ایک حیض عدت ہے) کو اختیار کرے تو یہ مذہب قوی ہے۔'' (سنن الترمذی: ۱۱۸۵)

ان صورتوں کا بیان جن میں کوئی عدت نہیں

۱۔ ایسی منکوحہ عورت جسے ہم بستری سے پہلے طلاق دی جائے تو اس پر کوئی عدت نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۖ﴾ اے ایمان والو! جب

تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر انھیں چھونے (ہم بستری) سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمھارا کوئی حق عدت نہیں کہ جسے تم شمار کرو۔ (الاحزاب:۴۹)

اس پر اجماع بھی ہے، حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: ''علماء کے مابین یہ ایک متفق علیہ امر ہے کہ اگر عورت کو ہم بستری سے پہلے طلاق دے دی جائے تو اس پر کوئی عدت نہیں لہٰذا طلاق کے فوراً بعد جس سے چاہے شادی کرسکتی ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر ۳/۵۸۴)

۲۔ اگر کوئی شخص اپنی ام ولد لونڈی کی شادی کسی شخص سے کردے اور آقا کے انتقال کے وقت وہ اپنے شوہر کے پاس ہی ہو تو اس پر نہ عدت ہے نہ استبراء (یعنی حیض کے ذریعے سے صفائی رحم) اور اس پر امام ابن المنذر (کتاب الاجماع:۴۵۳) نے اجماع نقل کیا ہے۔

دورانِ عدت میں ناجائز امور کا بیان

۱۔ سرمہ استعمال نہیں کرسکتی۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت کا شوہر فوت ہوگیا اس کے بعد اس کی آنکھ میں تکلیف ہوئی تو اس کے گھر والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرمہ لگانے کی اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''سرمہ مت لگاؤ۔'' (صحیح بخاری:۵۳۳۸، صحیح مسلم:۱۴۸۶)

۲۔ رنگ دار لباس نہ پہنے ۳۔ خوشبو استعمال نہ کرے

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ منائے سوائے خاوند کے، اس پر چار ماہ دس دن سوگ منائے، زمانہ سوگ میں (زینت کے لئے، زعفران وغیرہ خوشبو سے رنگے ہوئے) رنگ دار لباس نہ پہنے لیکن رنگے ہوئے سوت کا کپڑا پہن سکتی ہے۔ سرمہ نہ لگائے، خوشبو استعمال نہ کرے مگر ایام حیض سے پاک ہو تب تھوڑی سی عود ہندی (ایک خوشبودار لکڑی) یا مشک استعمال کرسکتی ہے۔'' (صحیح بخاری:۵۳۴۱، صحیح مسلم:۹۳۸)

اس حدیث میں مذکورہ چیزوں پر اجماع بھی ہے۔ (کتاب الاجماع:۴۵۷، ۴۵۸، ۴۶۰)

اجماع ہے کہ سوگوار عورت ریشمی لباس نہیں پہنے گی۔ (کتاب الاجماع:۴۵۹)

۴۔ مہندی بھی نہ لگائے۔ (ابوداود:۲۳۰۲، وسندہ صحیح)

۵۔ کنگھی بھی نہ کرے۔ (سنن النسائی:۳۵۶۴ وسندہ صحیح)

۶۔ بیوہ عورت اسی گھر میں ٹھہرے گی جس میں اپنے خاوند کی وفات کے وقت تھی۔ سیدہ فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اس کا شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں نکلا۔ انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ سیدہ فریعہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے میکے لوٹ جانے کے متعلق پوچھا کیونکہ میرے شوہر نے اپنی ملکیت میں کوئی گھر چھوڑا ہے نہ نفقہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (تم اپنے میکے جا سکتی ہو) جب میں حجرے میں پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی اور فرمایا کہ ''تم اپنے پہلے مکان میں ہی رہو جب تک تمھاری عدت پوری نہ ہو جائے۔''

سیدہ فریعہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر میں نے عدت کی مدت چار ماہ اور دس دن اسی سابقہ مکان میں پوری کی۔ مزید فرماتی ہیں کہ ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے بعد اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔'' (ابوداود:۲۳۰۰ وسندہ صحیح، ترمذی:۱۲۰۴)

اسے ترمذی نے ''حسن صحیح'' حاکم (مستدرک للحاکم ۲/۲۰۸) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: ''صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہم میں سے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔''

(سنن الترمذی بعد ح:۱۲۰۴)

۷۔ بیوہ کا دورانِ عدت میں حج کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ عدت گھر میں گزارنے کا حکم ہے اور اگر عورت دورانِ عدت میں حج کے لئے چلی جائے گی تو وہ عدت کو فوت کر بیٹھے گی اس کا کوئی بدل بھی نہیں ہے جب کہ حج اگر فوت ہو جائے تو آدمی اگلے سال بھی حج ادا کر سکتا ہے۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین لکھتے ہیں کہ ''اگر عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو وہ عورت عدت کے دنوں میں حج نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ (ال عمران:۹۷)

اور ایسی (عدت والی) عورت شرعی طور پر طاقت نہیں رکھتی خواہ اس کا محرم بھی ساتھ ہو۔

[مجموع الفتاویٰ ۲۸/۲۱]

۸۔ دورانِ عدت میں شوہر کے گھر سے رجعی طلاق یافتہ عورت کا نکلنا حرام ہے۔ (الطلاق:۱)

۹۔ حالتِ عدت میں عورت کی شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾

اور عقد نکاح جب تک عدت ختم نہ ہو جائے، پختہ نہ کرو۔ (البقرۃ:۲۳۵)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: ''اسی پر اجماع ہے کہ عدت کے ایام میں دوسرا عقد کرنا صحیح نہیں ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر ۱/۳۰۸)

۱۰۔ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو رجعی طلاق دے، تو دوران عدت میں اس کی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا۔ اسی طرح دورانِ عدت میں چوتھی عورت سے بھی نکاح نہیں کرسکتا (کیونکہ اس سے پانچ بیویاں لازم آجائیں گی اور وہ منع ہے) اس پر امام ابن المنذر نے اجماع نقل کیا ہے۔ (کتاب الاجماع:۳۷۱)

دورانِ عدت میں جائز امور کا بیان

۱۔ مجبوری میں ایام عدت میں مطلقہ عورت کا گھر سے نکلنا جائز ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ کو طلاق دے دی گئی انھوں نے دورانِ عدت میں ہی اپنے کھجور کے درخت سے پھل اتارنے کی غرض سے باہر جانا چاہا تو ایک آدمی نے انھیں ڈانٹا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! تم اپنے کھجور کے درخت کا پھل توڑ سکتی ہو، ممکن ہے کہ تم صدقہ کرو یا اسی ذریعے سے کوئی دوسرا نیک عمل تمھارے ہاتھ سے انجام پائے۔ (صحیح مسلم:۱۴۸۳)

یا کسی کے خوف کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم:۱۴۸۲)

۲۔ غیر رجعی طلاق کی عدت گزارنے والی عورت کو صراحت کے ساتھ شادی کا پیغام دینا

جائز نہیں البتہ اشاروں میں اس کو شادی کا پیغام دیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ﴾ تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارے کنائے سے (ان عورتوں سے شادی کی بابت) کہو۔ (البقرۃ:۲۳۵)

امام ابن المنذر رفرماتے ہیں: ''اجماع ہے کہ مطلقہ رجعیہ کے لئے جائز ہے کہ زینت کرے اور شوہر کو رغبت دینے کے سامان کرے۔'' (کتاب الاجماع:۴۶۱)

۳۔ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ ''(خاوند کے انتقال کی وجہ سے) عدت گزارنے والی عورت کو ناخن کاٹنے، بغل کے بال اکھاڑنے، غیر ضروری بالوں کو صاف کرنے، بیری کے پتوں کے پانی سے غسل کرنے نیز کنگھی کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔'' (زادالمعاد ۵/۵۰۷)

تنبیہ: دوران عدت میں کنگھی کرنے سے منع کیا گیا ہے جس طرح کہ سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ''ہر مباح چیز کا کھانا اس کے لئے جائز ہے جیسے پھل اور گوشت وغیرہ۔ اسی طرح مباح مشروبات کا پینا بھی جائز ہے۔'' مزید لکھتے ہیں کہ ''ایسی عورت کے لئے تمام مباح کام اور مشغلے جیسے کڑھائی، سلائی اور کٹائی وغیرہ جن کو عموماً عورتیں انجام دیتی ہیں، حرام یا ممنوع نہیں ہیں۔ وہ سارے اعمال یا چیزیں جو غیر عدت میں اس کے لئے مباح ہوں گی، مثلاً جن مردوں سے اسے گفتگو کی ضرورت پڑتی ہے، ان سے وہ پردے کا خیال کرتے ہوئے گفتگو کر سکتی ہے۔ یہ تمام باتیں رسول اللہ ﷺ کی بتلائی ہوئی ہیں۔ جن پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیویاں اپنے شوہروں کی وفات کے بعد ایامِ عدت میں عمل کرتی تھیں۔ مجموع الفتاویٰ (۳۴/۲۷۔۲۸) شیخ صالح بن فوزان لکھتے ہیں کہ ''عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ عدت گزار عورت چاند سے اپنے چہرے کو چھپائے گی، گھر کی چھت پر نہیں جائے گی، مردوں سے گفتگو نہیں کرے گی اور اپنے محارم سے بھی اپنے چہرے کو چھپائے گی یا اسی قبیل کی دیگر باتیں.... تو حقیقتاً ان کی کوئی اصل یا بنیاد نہیں ہے۔ واللہ اعلم'' (خواتین کے دینی مسائل:۱۴۶)

دورانِ عدت میں نفقہ کا بیان

امام ابن المنذر رفرماتے ہیں: ''اجماع ہے کہ شوہر کی قابلِ رجعت مطلقہ بیوی، رہائش اور اخراجات کی مستحق ہے۔ اجماع ہے کہ تین طلاق شدہ یا طلاق شدہ قابلِ رجعت حاملہ بیوی کا نفقہ (دورانِ عدت میں) شوہر پر ہے۔'' (کتاب الاجماع:۴۴۲، ۴۴۳)

نیز اس پر بھی اجماع ہے کہ ''گم شدہ شوہر کی بیوی پر چار سال گزر جانے کے بعد چار مہینے دس دن عدت کے مصارف بھی شوہر ہی کے مال سے لئے جائیں گے۔''

(کتاب الاجماع لابن المنذر:۳۷۲)

طلاق کے وہ مسائل جن کا تعلق عدت سے ہے

یہ مسائل امام ابن المنذر رکی ''کتاب الاجماع'' سے نقل کئے جا رہے ہیں۔

اجماع ہے کہ مسنون طریقہ طلاق یہ ہے کہ عدت سے پہلے حالتِ طہر میں طلاق دے۔

(کتاب الاجماع:۳۹۵)

اجماع ہے کہ طلاق شدہ (مطلقہ) عورت کی عدت ختم ہونے سے پہلے شوہر کو رجعت کا اختیار ہے، لیکن اگر عدت ختم ہو جائے (اور رجعت نہ کر سکے) تو (دوبارہ شادی کے لئے) عام لوگوں کی طرح پیغام دے سکتا ہے۔ (ایضاً:۳۹۷)

اجماع ہے کہ ملاپ سے پہلے اگر کسی نے بیوی کو طلاق دے دی تو وہ اس سے جدا ہو جائے گی، اب نئے نکاح کے ذریعے سے ہی اس کے عقد میں آ سکتی ہے، البتہ اس عورت پر شوہر کی دی گئی طلاق کے سبب عدت نہیں۔ (ایضاً:۳۹۸)

اجماع ہے کہ اگر آزاد شوہر اپنی آزاد بیوی کو تین طلاق دے اور عدت گزر جانے پر وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کر لے اور ملاپ ہو، پھر وہ دوسرا مرد بھی اس عورت کو (طلاق دے کر) الگ کر دے، اور عدت گزر جائے، پھر پہلا شوہر نکاح کرے تو وہ عورت اس پہلے شوہر کے پاس تین طلاق پر عقد جدید میں داخل ہوگی۔'' (ایضاً:۴۱۳)

وراثت کے وہ مسائل جن کا تعلق عدت سے ہے

۱۔ اگر کسی کے پاس چار بیویاں ہوں اور ایک کو طلاق دے، پھر بلا تاخیر پانچویں سے شادی کرے اور خود طلاق شدہ بیوی (کی عدت ختم ہونے) سے پہلے مر جائے، تو میراث کے آٹھویں کا چوتھائی ان دونوں بیویوں میں سے آخری کو ملے گا۔ امام ابن المنذر رنے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (کتاب الاجماع ۴۰۱)

۲۔ کوئی حالت صحت یا مرض میں ملاپ شدہ بیوی کو رجعی طلاق دے اور انتہائے عدت سے پہلے دونوں میں سے کوئی فوت ہو جائے تو ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اس پر بھی امام ابن المنذر رنے اجماع نقل کیا ہے۔ (کتاب الاجماع:۴۰۲)

رجعت کے وہ مسائل جن کا تعلق عدت سے ہے

امام ابن المنذر رفرماتے ہیں: ''اجماع ہے کہ آزاد مرد نے، اگر اپنی ملاپ شدہ آزاد بیوی کو ایک یا دو طلاق دیں تو عدت گزرنے سے پہلے وہ اسے لوٹانے (رجعت کرنے) کا زیادہ مستحق ہے۔ (کتاب الاجماع:۴۶۲)

اجماع ہے کہ (طلاق کی) عدت کے دوران میں رجعت کا حق مرد کو ہے اگرچہ بیوی کو ناپسند ہو۔ (کتاب الاجماع:۴۶۴)

اجماع ہے کہ طلاق دینے والا شوہر ختم عدت کے بعد اگر بیوی سے کہے کہ میں نے تم سے رجعت کر لی تھی اور بیوی اس بات کا انکار کر دے تو قسم کے ساتھ عورت ہی کی بات مانی جائے گی اور شوہر کو سوائے ماننے کے کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ (ایضاً:۴۶۶)

اجماع ہے کہ اگر عورت دس دن کے دوران میں کہے کہ مجھے تین حیض آچکے ہیں اور میری عدت پوری ہو گئی تو نہ اس کی تصدیق کی جائے گی اور نہ اس کی بات قابلِ قبول ہوگی۔ ہاں اگر وہ کہے کہ اس کا حمل ایسی صورت میں گر گیا ہے کہ بچہ کی شکل وصورت واضح ہو چکی تھی تو اس کی بات تسلیم کی جائے گی۔ (کتاب الاجماع:۴۶۷)

(۳۰/۶/۲۰۰۷)

صاحب مضمون: عبدالعزیز جاسم　ترجمہ: سید عبدالحلیم

سنت نبویہ میں بسملہ (بسم اللہ) کا مقام ومرتبہ

(تلخیص، ترمیم وتہذیب)

الحمد للّٰه رب العالمین و الصلاۃ و السلام علٰی نبینا محمد و علٰی اٰله و صحبه أجمعین ، أما بعد :

مسلمان اپنی انفرادی شخصیت کی وجہ سے اپنی نوع میں ایسا ممتاز ہے کہ اس میں اس کا کوئی بھی قطعی طور پر شریک نہیں۔ کیونکہ یہ (مسلمان) اپنے فکر، قول، اور عمل میں جداگانہ حیثیت کا حامل ہے اور یہ چیز اس پر اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ اسی انفرادی شخصیت کی وجہ سے دیگر مخلوق پر فوقیت رکھتا ہے، جس میں اس کا ہم پلہ کوئی نہیں ہے۔

اس کے ان امتیازات میں سے ایک تسمیہ ہے کہ اپنے بعض افعال کو بجالاتے ہوئے ان کو بسم اللہ سے شروع کرتا ہے جیسا کہ سنت نے ہمارے سامنے انھیں بیان کیا ہے (یہی وجہ ہے کہ) مسلمان کی زندگی میں **بِسْمِ اللّٰه** کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جو بھی بات یا کوئی فعل سرانجام دیتا ہے تو اس کی ابتدا اللہ کے نام سے کرتا ہے۔ بسم اللہ کے ساتھ شروع کرنا اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل ہے کہ انسان اپنے خالق کے ساتھ کس قدر مؤدبانہ رویہ رکھتا ہے۔

اسی تسمیہ کی اہمیت کے پیشِ نظر اور جو بھی معانی اس پر مشتمل ہوتے ہیں ہم یہ چیز پاتے ہیں کہ سب سے پہلے قرآن پاک میں جو ہمارے نبی محمد بن عبداللہ ﷺ پر نازل ہوا وہ یہ تھا کہ آپ اللہ کے نام سے پڑھیں ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ (سورۃ العلق:۱)

اسی وجہ سے میں نے پسند کیا کہ صحیح اور حسن احادیث جو تسمیہ کے متعلق وارد ہوئی ہیں، ان کو جمع کروں اور ان کے (اصل) مصادر سے انھیں نقل کروں اور ان کے جو مفردات غریبہ ہیں

ان کی بھی شرح کردوں ۔ اگر حدیث کسی فقہی حکم پر مشتمل ہوتو مذاہب فقہاء کی طرف (صرف) اشارہ کروں کیونکہ میں مذاہب کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا اور نہ ان کے دلائل کو بیان کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اس سے موضوع طویل ہو جائے گا اور مقصد بھی بعید تر ہوتا جائے گا۔

☆ عبادات جن کے بجالاتے وقت **بِسْمِ اللّٰہ** پڑھنا مشروع ہے ان میں سے ایک وضو ہے۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((لا وضوءَ لمن لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ))** جو شخص وضو کے (شروع) میں بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو ہی نہیں۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۹۷، حسن)

☆ وضو کے شروع میں بسم اللہ چھوڑنے میں علماء کا اختلاف

اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ اگر (متوضی) نے بسم اللہ کو عمداً چھوڑ دیا تو وہ دوبارہ وضو کرے گا۔ اگر بھول سے رہ گئی یا کوئی اور اس کی تأویل کر لی تو اس کو کافی ہو جائے گی۔

(سنن الترمذی بعد حدیث: ۲۵)

[راجح یہی ہے کہ بسم اللہ کے بغیر وضو نہیں ہوتا لہٰذا امام اسحاق کا درج بالا قول مرجوح ہے۔]

☆ نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کے وقت بسم اللہ پڑھنا بھی مشروع ہے جیسا کہ نعیم مجمر فرماتے ہیں: میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے ﴿ **بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم** ﴾ پڑھی، پھر آپ نے سورۂ فاتحہ قراءت کی حتی کہ جب آپ ﴿ **غیر المغضوب علیھم و لا الضالین** ﴾ پر پہنچے تو آپ نے آمین کہی ......اور جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک (میری نماز) تم میں سے سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ ہے۔ (سنن النسائی: ۹۰۶ وسندہ صحیح) لیکن اہلِ علم کا جہری اور سری نمازوں میں اختلاف ہے۔ فریقین کے دلائل کی تفصیل درج ذیل ہے:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) اپنی نماز کو

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ سے شروع کرتے تھے۔ (صحیح بخاری:۷۴۳)

(۲) اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ شروع کرتے تھے۔ (سنن الترمذی:۲۴۵ وسندہ حسن)

اس مسئلے میں اعتدال کی راہ یہی ہے کہ دونوں طرح عمل جائز ہے یعنی جہری نماز میں بسم اللہ جہراً اور سراً دونوں طرح جائز ہے اور ان میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ سراً پڑھی جائے کیونکہ اس کے دلائل زیادہ قوی ہیں۔ بہرصورت اس مسئلے میں تشدد کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ ''جہراً'' کے جواز کے لئے دیکھئے سنن النسائی (۹۰۶ وسندہ صحیح) اور ''سراً'' کے جواز کے لئے دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۴۹۵ وسندہ حسن) اور صحیح ابن حبان (الاحسان:۱۷۹۶، وسندہ صحیح)

☆ دم کرتے وقت مریض کو جب شرعی دم کیا جائے تو دم کرنے والا بسم اللہ سے دم شروع کرے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے:

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بیماری کی شکایت کرتے تو جبریل علیہ السلام آپ کو دم کرتے ہوئے کہتے: ''بِسْمِ اللّٰهِ يُبْرِيْكَ وَمِنْ كُلِّ دَاءٍ يَشْفِيْكَ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ وَشَرِّ كُلِّ ذِيْ عَيْنٍ﴾ اللہ کے نام سے جو آپ کو ٹھیک کر دے گا اور ہر بیماری سے آپ کو شفا دے گا اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے اور ہر نظر بد کے شر سے آپ کو محفوظ رکھے گا۔ (صحیح مسلم:۲۱۸۵، دارالسلام:۵۶۹۹)

علامہ نووی نے فرمایا: یہ صراحت ہے اللہ کے ناموں کے ذریعے سے دم کرنے کی۔

(شرح صحیح مسلم ۱۷۰/۱۴)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مریض کے لئے اس طرح دم کرتے:

((بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا ، يُشْفِيْ سَقِيْمَنَا ، بِإِذْنِ رَبِّنَا))

اور امام مسلم نے اس روایت کے شروع میں یہ اضافہ کیا کہ جب انسان اپنے اندر کوئی بیماری پائے یا اس کو کوئی پھوڑا پھنسی نکل آئے یا کوئی زخم ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی مبارک سے

اس طرح کرتے۔سفیان نے اپنی سبابہ انگلی کو زمین پر رکھا پھر اس کو اٹھالیا اور مذکورہ کلمات نقل کیے۔ (صحیح بخاری: ۵۷۴۵، ۵۷۴۶، صحیح مسلم: ۲۱۹۴، دارالسلام: ۵۷۱۹)

☆ اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتے ہوئے اپنے آپ کو بھی دم کیا جاسکتا ہے۔

سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی اکرم سے درد کی شکایت کی کہ جب سے ہم مسلمان ہوئے ہیں اپنے جسم میں درد محسوس کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اپنا ہاتھ اپنے جسم کی درد والی جگہ پر رکھیں اور تین مرتبہ ((بِسْمِ اللّٰـهِ)) اور سات مرتبہ ((أَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَ قُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَ أُحَاذِرُ)) پڑھیں۔ (صحیح مسلم ۲۲۰۲، دارالسلام: ۵۷۳۷) یعنی میں اللہ اور اس کی قدرت کی پناہ پکڑتا ہوں اس شر سے جس کو میں پاتا ہوں اور ڈرتا ہوں۔

بسم اللہ کے ذریعے سے سرانجام دینے والے امور (کا ذکر)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات چھا جائے یا تم شام کرو تو اپنے بچوں کو (گھروں) میں روک کر رکھو کیونکہ اس وقت شیاطین گھومتے پھرتے ہیں جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو پھر ان کو چھوڑ دو، دروازوں کو بند کرو اور اللہ کا نام لو بیشک شیطان بند دروازے کو نہیں کھولتا اور اپنی مشکوں کو بھی اچھی طرح باندھ دو اور اس پر اللہ کا نام لو اور اپنے برتنوں کو بھی ڈھانپ دو اور اللہ کا نام لو اگرچہ ان پر کسی چیز کو لمبا ڈال دو اور اپنے چراغوں کو بھی بجھا دو۔ (صحیح مسلم: ۲۱۰۲، دارالسلام: ۵۲۵۰)

اور أَوْکُـــوْا کا معنی ہے کہ مشک کو سخت کر کے تسمہ سے باندھ دو تا کہ کوئی موذی چیز اس میں داخل نہ ہو سکے یا شیطان اس کے قریب نہ آسکے۔

اور خــمـروا کا معنی ہے کہ برتنوں کو ڈھانپ دو، اگر ان کا ڈھکنا نہیں تو ان پر کسی لکڑی کو لمبا ڈال دو یا کوئی چیز ان پر رکھ دو اور تسمیہ سبب ہے شیطان کو ان کے قریب آنے سے روکنے کے لئے وگرنہ شیطان کو بعض افعال پر ایسی طاقت دی گئی ہے جو اس سے بھی بڑی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ (اور میں خیال کرتا ہوں کہ) لکڑی کو لٹا دینے پر اکتفا کرنا ہی اس کا ڈھانپنا ہے یا بسم اللہ کے ساتھ لٹانا تو یہ لٹانا علامت ہے بسم اللہ کی جو شیطان اس (برتن) کے قریب آنے سے باز رہتے ہیں۔ (فتح الباری ۱/۲۷)

☆ گھر میں داخل ہوتے وقت بھی بسم اللہ پڑھے تا کہ وہ جہاں بیٹھے سکون حاصل کرے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے، پھر داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے: نہ تم (یہاں) رات گزار سکتے ہو اور نہ رات کا کھانا ہی ہے۔ جب گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان کہتا ہے: تمھیں گزارنے کو جگہ میسر ہوگئی اور جب کھاتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا تو شیطان کہتا ہے: رہنے کو ٹھکانہ بھی مل گیا اور کھانا بھی مل گیا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۱۸، دارالسلام: ۵۳۶۲)

اس حدیث میں ذکر اللہ سے مراد بسم اللہ ہے۔

اونٹ پر سوار ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنا

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی سند سے محمد بن حمزہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اپنے باپ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر اونٹ کی پشت پر شیطان ہوتا ہے جب تم اس پر سوار ہو تو بسم اللہ پڑھا کرو پھر تم اپنی ضروریات سے گھاٹے میں نہیں رہ سکتے۔ (مسند احمد ۳/۴۹۴ وسندہ حسن)

☆ بسم اللہ پڑھنا صرف اونٹ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر جانور پر سوار ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔

علی بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار تھا جب انھوں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تو کہا: ''بسم اللـه'' جب سواری کی پشت پر برابر ہوگئے تو کہا ''الحمد لله'' تین بار اور ''الله أكبر'' بھی تین بار پھر یہ آیت پڑھی: ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْ

سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴾ (الزخرف:۱۳،۱۴)

پھر کہا '' لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ إِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّآ أَنْتَ '' پھر ایک پہلو کی طرف جھکے اور ہنسے تو میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کو کس نے ہنسایا ہے۔ تو جواب دیا کہ میں رسول اللہ کے پیچھے سوار تھا تو آپ نے اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا ہے۔ میں نے بھی آپ سے ایسے ہی سوال کیا تھا جیسے تو نے مجھ سے کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر تعجب کرتا ہے جب (بندہ) یہ کہتا ہے: '' لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ إِنِّيْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ إِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّآ أَنْتَ '' اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو بخشتا اور سزا دیتا ہے۔

(سنن ابی داود: ۲۶۰۲، ترمذی: ۳۴۴۶، المستدرک للحاکم ۹۸/۲ واللفظ لہ وسندہ حسن)

تنبیہ: موجودہ دور میں گاڑیوں اور موٹر سائیکل وغیرہ پر سوار ہوتے ہوئے بھی اسی طرح عمل کرنا چاہئے کیونکہ یہ سواری (اونٹ، گھوڑے) کے حکم میں ہیں۔ واللہ اعلم

☆ تسمیہ پڑھنے کے کاموں میں سے ایک کام یہ بھی ہے کہ جب مسلمان شکار کرتے ہوئے اپنا شکاری کتا یا تیر کو شکار کی طرف چھوڑے تو اس وقت بھی بسم اللہ پڑھے۔

سیدنا ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم اہلِ کتاب کی سرزمین میں رہتے ہیں کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا سکتے ہیں؟ اور وہ زمین بھی شکار والی ہے تو کیا میں اپنی کمان اور اپنے ایسے کتے سے جو سدھایا ہوا نہیں اور اس کتے کے ساتھ جو سدھایا ہوا ہے شکار کرسکتا ہوں، میرے لئے کون سی چیز درست ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو تم نے اہلِ کتاب کا ذکر کیا اگر ان کے برتنوں کے علاوہ برتن مل جائیں تو ان کے برتن استعمال نہ کرو، اگر نہ ملیں تو انھیں دھو کر ان میں کھالو اور جو شکار تم اپنی کمان سے کرو اور اس پر اللہ کا نام لو تو اس کو کھاؤ اور جو شکار تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ کرو اور اس پر اللہ کا نام لو تو اس کو بھی کھالو اور جو شکار بغیر سدھائے ہوئے کتے سے کرو تو اگر تم نے اسے

خود ذبح کیا ہے تو اس کو بھی کھالو۔'' (صحیح بخاری:۵۴۷۸، صحیح مسلم:۱۹۳۰، دارالسلام:۴۹۸۳)

اور کتے کے ساتھ باز، صقر (شکرا) اور دوسرے پرندے جو شکار کے لئے سدھائے ہوئے ہوں وہ سب شامل ہیں۔ دیکھیں فتح الباری (۶۰۰/۹ ح ۵۴۷۵)

دیگر ذبح کئے جانے والے جانوروں پر بھی ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔

سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے ہاں چھری وغیرہ نہیں ہے تو آپ نے فرمایا: ''جس چیز کی وجہ سے خون بہہ جائے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو پس اس کو کھالو ناخن اور دانت سے ذبح نہ کیا جائے کیونکہ ناخن حبشہ والوں کی چھریاں ہیں اور دانت ایک ہڈی ہے۔''

(رافع) کہتے ہیں: ایک اونٹ بھاگ گیا پس اس کو (تیر مار کر) قابو کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ان اونٹوں کے لئے بھی ایسے ہی بھاگنا ہے جیسے جنگلی جانور (بھڑک کر) بھاگتے ہیں لہٰذا جو تمھارے قابو سے باہر ہو جاتے ہیں ان کے ساتھ ایسا ہی کرو۔

(صحیح بخاری:۵۵۰۳، صحیح مسلم:۱۹۶۸، دارالسلام:۵۰۹۲)

حدیث نے ذبیحہ کے حلال کو دو چیزوں پر معلق کر دیا ہے وہ دونوں یہ ہیں:

(۱) بسم اللہ کا پڑھنا (۲) خون کا بہانا

ان میں سے ایک بھی اگر ختم ہو گیا تو دوسرا خود بخود ختم ہو جائے گا تو خون کا بہانا اور بسم اللہ دونوں ذبیحہ پر ضروری ہیں تاکہ جانور حلال ہو جائے۔ دیکھیں فتح الباری (۶۲۸/۹)

[فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اگر بسم اللہ پڑھ کر بندوق رائفل وغیرہ سے شکار کیا جائے جس سے شکار شدہ جانور کا خون بہہ جاتا ہے تو یہ شکار حلال ہے، اگرچہ ذبح سے پہلے ہی مر جائے۔/ زع]

''واذکر اسم اللّٰہ'' سے مراد یہ ہے کہ ذبح کرنے والا بسم اللہ کہے جیسا کہ صحیح مسلم میں روایت ہے۔ ''فلیذبح باسم اللّٰہ'' (صحیح مسلم:۱۹۶۰، دارالسلام:۵۰۶۷)

لیکن قربانی کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ بھی پڑھے اور تکبیر (یعنی اللہ اکبر) بھی کہے

جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ (صحیح مسلم:۱۹۶۶، دارالسلام:۵۰۹۰)

اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو اگر مسلمان آدمی لے تو اس پر ضروری ہے کہ وہ کھانا کھاتے وقت یا پانی پیتے وقت بھی بسم اللہ پڑھے تاکہ ان میں سے شیطان کسی چیز میں شریک نہ ہو سکے۔ (صحیح مسلم:۲۰۱۷، دارالسلام:۵۲۵۹)

عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک بچہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کی نگہداشت میں تھا اور میرا ہاتھ کھانے کی پلیٹ میں گھومتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے بچے! اللہ کا نام لے اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا اور اس کے بعد میں ہمیشہ ایسے ہی کھاتا تھا۔ (صحیح بخاری:۵۳۷۶، صحیح مسلم:۲۰۲۲، دارالسلام:۵۲۶۹)

☆ مسلمان اگر کھانا کھاتے یا پانی پیتے ہوئے بسم اللہ بھول جائے تو جب بھی کھانے کے دوران میں یاد آئے تو اس کو پڑھ لے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اپنے کھانے میں اللہ کے ذکر کو بھول جائے جب اسے یاد آئے تو کہے: ((بسم اللّٰہ فی أولہ و آخرہ)) تو وہ نئے سرے سے کھانا شروع کرتا ہے اور ناپاکی جو اس کو پہنچی ہے اس کو ختم کرتا ہے۔ (صحیح ابن حبان، الموارد:۱۳۴۰، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی:۴۵۹ وسندہ حسن)

☆ بسم اللہ پڑھنے والے کاموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کے پاس جائے تو اس وقت بھی بسم اللہ پڑھے جیسا کہ سنت نبویہ سے ثابت ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی اپنے اہل (بیوی) کے پاس جائے تو کہے: ((بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنِی الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَارَزَقْتَنَا)) اگر اللہ نے ان کے حق میں اولاد کا فیصلہ کر دیا تو شیطان اس (اولاد) کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ (صحیح بخاری:۵۱۶۵)

☆ میت کو قبر میں اتارتے وقت بسم اللہ پڑھنا ثابت ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے

مردوں کو قبر میں رکھو تو (رکھتے وقت) ((بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ)) کہو۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۵۵۰، صحیح واللفظ لہ، نیز دیکھئے سنن ابی داود: ۳۲۱۳، صحیح ابن حبان، الموارد: ۷۷۳)

تو اس طرح اس مسلمان کے ساتھ آخری عہد بسم اللہ کے ساتھ ہوگا جو دنیا کو چھوڑ کر جا رہا ہے اور ایک دوسرے جہان کی طرف منتقل ہو رہا ہے جو کہ دنیاوی جہان سے کلی طور پر مختلف ہے اور اپنے رب کی ملاقات تک وہاں رہے گا۔

خلاصہ: بسم اللہ کی احادیث کو پیش کرتے وقت جو کچھ میرے سامنے آیا وہ درج ذیل ہے:

۱۔ مسلمان کی زندگی میں بسم اللہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

۲۔ اللہ مسلمان کی حفاظت کرتا ہے جو اس کی طرف پناہ پکڑتا ہے اور اس سے مدد طلب کرتا ہے۔

۳۔ شیطان کا انسان پر غلبہ اور عجیب قدرت کا پانا اور اگر مسلمان اپنے رب سے مدد طلب کرتا ہے اور اس کے شر سے اس کے ساتھ پناہ پکڑتا ہے تو اسی وقت وہ کمزور ہو جاتا ہے۔

۴۔ نبی اکرم ﷺ کا حرص کرنا اپنی امت کو ایسی تعلیم دینے میں جو اس کو فائدہ پہنچائے اور جو اس کے لئے خیر کے اکٹھا کرنے اور دارین کی سعادت کو حاصل کرنے کا سبب ہے۔

(ختم شد)

وضاحتیں

① الحدیث: ۴۲ ص ۳ پر غلطی سے لکھا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے .... بائیں ہاتھ سے دوسری مٹھی لی" جبکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے....دوسرے ہاتھ سے دوسری مٹھی لی"

② استاذِ محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی کتاب "نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام" ص ۲۰ پر کمپوزنگ کی غلطی سے "ابن حمید عن سلیمان" چھپ گیا ہے جبکہ صحیح "ابن حمید عن ثور عن سلیمان" ہے یعنی ثور کا ذکر سند سے رہ گیا ہے۔

③ القول المتین فی الجہر بالتأمین ص ۸ پر "صِرَاطُ" لکھا ہوا ہے جبکہ صحیح "صِرَاطٌ" ہے۔

حافظ شیر محمد

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

اُمتِ مصطفیٰ ﷺ اور شرک

(قسط نمبر ۵)

جب مشرکینِ عرب ہر چیز کا مالک اللہ ہی کو سمجھتے اور ہر چیز پر اس کے غلبہ تامہ اور اقتدار کاملہ کو تسلیم کرتے تھے تو ہر چیز میں یقیناً ان کے معبودانِ باطلہ بھی شامل تھے۔ جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین عرب اپنے ان معبودوں پر بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اقتدار و حاکمیت کو تسلیم کرتے تھے، ان کا یہ تسلیم کرنا اس طرح بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے ان آیات کے نزول کے بعد بھی آ کر یہ نہیں کہا کہ ہم ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت تسلیم نہیں کرتے نہ ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت و اقتدار ہی کو تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ بس ہر چیز کو اللہ کی ملکیت تصور کرنا اور ہر چیز پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اقتدار کامل اور غلبہ تامہ کو تسلیم کر لینا ہی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ اپنے معبودوں سے متعلق جن مافوق الفطرت و مافوق الاسباب عقائد کے حامل تھے انھیں ذاتی، قدیمی، ازلی، ابدی نہیں سمجھتے تھے۔

☆ مشرکینِ عرب کا عطائی عقیدہ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کان المشرکون یقولون :لبیک لا شریک لک، قال فیقول رسول اللہ ﷺ : ((ویلکم قد قد)) فیقولون : إلا شریگا ھو لک تملکه وما ملك ، یقولون ھٰذا وھم یطوفون بالبیت ''

مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یوں کہا کرتے تھے: لبیک لاشریک لک (جب وہ اتنا کہتے تو) تو رسول اللہ ﷺ فرماتے: تمھاری بربادی ہو بس بس (اس پر کفایت کر جاؤ) لیکن وہ (مزید الفاظ) کہتے: ''**إلا شریکاً ھو لك تملکه وما ملك** '' یعنی اے اللہ

تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسا شریک جو تیرے لئے ہے تو اس شریک کا بھی مالک ہے اور جو کچھ اس شریک کے اختیار میں ہے اس کا بھی تو ہی مالک ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۱۸۵، دارالسلام: ۲۸۱۵)

اور واضح رہے کہ مشرکینِ عرب کے ہاں غلامی کا رواج تھا وہ مالک کے فرق سے بخوبی آگاہ تھے انھیں یہ سمجھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ مالک ومملوک میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مالک حکم دینے والا حاکم ہوتا ہے اور ''مملوک'' ماننے کا پابند محکوم ہوتا ہے، مالک آزاد وخود مختار ہوتا ہے جبکہ ''مملوک'' کے اپنے اختیارات نہیں ہوتے، مالک کی اپنی مرضی ہوتی ہے جبکہ مملوک کی اپنی مرضی نہیں ہوتی بلکہ وہ مالک کی مرضی پر عمل کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ان کا برسرِ عام طوافِ کعبہ کے دوران میں یہ اعلان کہ ''ہمارے ان معبودوں کا مالک اللہ ہی ہے'' ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کا تابع فرمان اور اللہ کے سامنے عاجز، بے بس اور مجبور تسلیم کرتے تھے۔ اب بالکل برابری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ''وما ملك'' سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان معبودوں کے اختیارات کا مالک بھی اللہ ہی کو سمجھتے تھے کہ ان اختیارات کا مالک اللہ ہے اور یہ اختیارات اللہ ہی کے عطا کردہ ہیں، اس اقرار واعلان کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں ''مشرک'' قرار دیا۔ ان کا یہ ''عطائی عقیدہ'' ان پر ''شرک'' کے لازم آنے سے انھیں بچا نہ سکا۔

معلوم ہوا کہ ''شرک فی الصفات'' کے لازم ہونے کے لئے یہ شرط نہیں کہ غیر میں اس صفت کو ''ذاتی، قدیمی، ازلی وابدی'' طور پر مانا جائے۔ جب عطا ہوا تو ذاتی نہ رہا جب عطا ہوا تو مطلب عطا ہونے سے پہلے یہ صفت نہیں تھی تو ازلی بھی نہ رہا اور اپنے معبودوں کے لئے ان اختیارات کے ''عطائی'' ہونے کے ہی مشرکین قائل تھے۔ اس کے باوجود انھیں ''مشرک'' قرار دیا جانا، فریقِ ثانی کی ''ازلی ابدی ذاتی قدیمی'' والی تمام شرائط کو باطل ٹھہرا دیتا ہے۔ چونکہ جو کچھ وہ ''عطائی'' طور پر تسلیم کرتے تھے، اس کے عطا ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔

صفت کا لامحدود ماننا: فریقِ ثانی کی طرف سے شرک لازم آنے کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ غیر میں اس صفت کو ''لامتناہی'' اور ''لامحدود'' مانا جائے تب ''شرک'' ہوگا ورنہ نہیں۔

تو عرض ہے کہ یہ ''لامحدود'' کی شرط بھی قرآن وسنت کی روشنی میں باطل ہے۔اس لئے کہ مشرکین بھی اپنے معبودوں کی طاقت کو ''محدود'' مانتے تھے اور ان کا یہ طرزِ عمل تعریض کے طور پر قرآنِ مجید میں بہت سے مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ چند ایک آیات ملاحظہ کیجئے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَھُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾

وہ اللہ ہی ہے جو تمھیں خشکی اور دریا میں سیر کراتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ انھیں لے کر چلتی ہیں اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں کہ ان پر سخت ہوا کا جھونکا آتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں اٹھی چلی آتی ہیں اور انھیں یہ خیال آتا ہے کہ ہم گھیرے گئے (تو اس وقت) سب بندگی کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے اللہ ہی کو پکارتے ہیں (کہ اے اللہ!) اگر تو ہم کو اس (مصیبت) سے بچا لے تو ہم ضرور شکر گزار بن جائیں گے۔ (یونس:۲۲)

﴿وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ﴾

اور جب ان (مشرکین) پر موج سائبانوں (پہاڑ نما چھپروں) کی طرح چھا جاتی ہے تو وہ خلوص کے ساتھ بندگی کرتے ہوئے اللہ ہی کو پکارتے ہیں پھر جب وہ (اللہ) انھیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچاتا ہے تو ان میں سے کوئی اعتدال (انصاف) پر قائم رہتا ہے اور

ہماری آیات کا انکار تو صرف وہی کرتا ہے جو بدعہد اور ناشکرا ہے۔ (لقمٰن: ۳۲)

﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ﴾

جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اللہ کی عبادت کو خالص کر کے صرف اسے ہی پکارتے ہیں پھر جب وہ انھیں نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو فوراً ہی یہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

(العنکبوت: ٦٥)

ان آیات سے روزِ روشن کی طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مشرکین بھی ایک حد تک اپنے آلہہ (بہت سے معبودوں) کو کارساز سمجھتے تھے۔ مشکل کشائی و کارسازی کی صفت میں وہ لامحدودیت کے قائل نہیں تھے۔ سخت مشکل گھڑی میں ان کا یہ یقین پختہ ہو جاتا کہ یہاں ہمارے آلہہ کچھ نہیں کر سکتے، ان کی حدود ان کے نزدیک گویا ختم ہو جاتیں اور وہ ایسے موقع پر شرک سے وقتی طور پر پاک ہو کر اپنی بندگی کو خالصتاً اللہ کے لئے خاص کرتے ہوئے صرف اللہ ہی کو پکارتے، اسی سے مشکل کشائی چاہتے، البتہ جب وہ مشکل کشا اللہ ان کی اس مشکل کو دور فرماتا تو وہ پھر سے شرک کرنے لگتے۔ المختصر کہ ان کے نزدیک ان کے ''آلہہ'' لامحدود صفات کے حامل نہ تھے بلکہ ان کی صفات محدود تھیں اور وہ یہ کہ وہ خشکی پر تو ان کو مشکل کشا، حاجت روا، جاہِ پناہ تصور کرتے لیکن سمندروں میں آ کر اس کی طغیانی و تلاطم خیز موجوں کے سامنے وہ برملا ان کی بے بسی و ''محدودیت'' کا اعتراف کرتے، اعتراف ہی نہیں بلکہ وقتی طور پر شرک سے ہاتھ چھڑا لیتے ''مخلصین لہ الدین'' اس پر روشن دلیل ہے۔ ان کا اپنے ''آلہہ'' کی صفت مشکل کشائی کے تصور کو ''محدود'' کر دینا اور ''محدود'' سمجھنا ہی سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کی ہدایت کا اور چشمِ بصیرت روشن ہونے کا سبب بنا۔

''فتحِ مکہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب امن و عام معافی کا اعلان فرمایا سوائے چند لوگوں کے (جو اسلام اور مسلمین کے سخت دشمن تھے) انھیں میں ایک ابوجہل کے بیٹے سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جنھوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا اور بھاگنے میں عافیت

جانتے ہوئے سمندر کا رخ کیا۔

''فأصابتهم عاصف فقال أصحاب السفينة :أخلصوا فإن آلهتكم لا تغني عنكم شيئًا ههنا ، فقال عكرمة : والله !لئن لم ينجّني من البحر إلا الإخلاص لا ينجيني فى البّر غيره .

اللّهم إنّ لك عليّ عهدًا إن أنت عافيتني مما أنا فيه أن آتي محمدًا ﷺ حتى أضع يدى في يده ، فلأجدنه عفوًّا كريمًا، فجاء فأسلم ''

کشتی میں سوار ہوئے تو سمندر میں انھیں طوفان نے آلیا۔ تو کشتی والوں نے کہا: اب صرف ایک اللہ ہی کو پکارو یقیناً تمھارے (دوسرے) آلہہ یہاں تمھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ یہ اعلان سن کر عکرمہ (چونکے اور) کہا: اللہ کی قسم! اگر اس سمندر میں خالصتاً ایک اللہ کو پکارنے کے علاوہ نجات نہیں مل سکتی (یہ مشکل نہیں ٹل سکتی) تو پھر خشکی میں بھی ایک اللہ کے علاوہ کوئی اور نجات نہیں دے سکتا (مشکل کشائی نہیں کر سکتا، رنج و غم نہیں ٹال سکتا)

اے اللہ! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں اگر تو نے مجھے اس مصیبت سے نجات دی کہ جس کے اندر میں (کشتی والوں سمیت) مبتلا ہوں تو میں محمد (ﷺ) کے پاس جاؤں گا اور اپنا ہاتھ ان کے (مبارک) ہاتھ میں دے دوں گا تو یقیناً میں انھیں معاف کرنے والا معزز پاؤں گا... پس (ان طوفانی ہواؤں سے بچ کر) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا (رضی اللہ عنہ)۔ (سنن النسائی: ۴۰۷۲، وسندہ حسن)

اس حدیث پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے! سوچئے! کہ مشرکینِ عرب کے ہاں اپنے آلہہ کی صفات کا ''محدود'' تصور تھا یا ''لامحدود'' تصور تھا؟ ان قرآنی آیات کو پڑھ کر اس حدیث کو دیکھ کر کوئی کم عقل شخص بھی یہ کہنے کہ جسارت نہیں کرے گا ''مشرکین اپنے آلہہ میں مشکل کشائی و حاجت روائی کی ''لامحدود'' صفت تسلیم کئے ہوئے تھے۔'' کلا و فلا ہر گز ہر گز نہیں۔

چونکہ ان مشرکین کا یہ واضح اعلان اور یہ دُہائی دینا اس صورت میں ان کا مذاق اڑا رہا ہوگا، ان کا منہ چڑا رہا ہوگا اور ان کی کم عقلی کا ماتم کر رہا ہوگا اور وہ یہ اعلان ہے کہ

''أخلصوا فإن آلهتكم لا تغني عنكم شيئاً ههنا ''

اپنی بندگی کو خالص کر دو، اکیلے اللہ ہی کو پکارو کہ یقیناً یہاں تمھارے دوسرے آلہہ تمھارے کچھ کام نہیں آسکتے۔ تمھیں یہاں اس موقع پر کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

ان تلاطم خیز موجوں میں ان تیز وتند ہوا کے جھونکوں میں وہ تمھاری مشکل کشائی سے عاجز ہیں۔

الغرض! فریقِ ثانی کی ''شرک فی الصفات'' کے لئے غیر میں اس صفت کو ''لامحدود'' ماننے کو شرط یا لازم قرار دینا بھی درست نہیں۔ قرآن مجید کی واضح آیات و مذکورہ روایت ان کی تردید کرتی ہے ان کے اس عقیدہ ونظریہ، سوچ وفکر کو باطل ثابت کرتی ہے۔

چونکہ قرآن نے ہی مشرکین کا یہ عقیدہ بیان کیا اور قرآن مجید کے بیان سے ہی واضح ہوا کہ وہ مشرکین اللہ کے غیر میں مشکل کشائی وفریاد رسی کی صفات کو ''لامحدود'' نہیں مانتے تھے بلکہ محدود ہی مانتے تھے، لیکن اللہ رب العالمین نے اس کے باوجود انھیں ''شرک'' کرنے والوں میں شمار کیا۔ فریقِ ثانی کی عائد کردہ شرائط کی روشنی میں تو ''محدود'' ماننے کی وجہ سے ان کا ''شرک'' ثابت نہیں ہوتا؟ اب اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا انھیں شرک کرنے والوں میں شمار کرنا درست ہے اور یقیناً درست ہے تو معلوم ہوا کہ غیر اللہ میں صرف ''لامحدود'' والی شرط باطل ہے اور یقیناً باطل ہے۔ ومن أصدق من الله قيلاً

معلوم ہوا کہ غیر اللہ میں صرف ''لامحدودیت'' کی نفی اور ''محدودیت'' کا اثبات اور حدود کے خود ساختہ تعین کا عقیدہ ہی شرک سے بچانے کے لئے کافی نہیں بلکہ معاملہ جو اللہ کے غیر کے ساتھ اختیار کیا جائے وہ بھی ان حدود میں ہونا چاہئے۔ مخلوق، مملوک، محدود مان لینے کے بعد انھیں پکارنا ان سے دعائیں طلب کرنا ان سے حاجت روائی، فریاد رسی، مشکل کشائی چاہنا، ان سے دھن دولت، عزت وحشمت، مال واولاد وغیرہ طلب کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جبکہ قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ

شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾

(اے نبی ﷺ!) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ بتاؤ جن جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ (جن سے دعائیں طلب کرتے ہو) انھوں نے زمین میں سے کون سی چیز کو پیدا کیا یا آسمانوں کے بنانے میں ان کی کوئی شرکت ہے؟ میرے پاس اس (قرآنِ مجید) سے پہلے کی کوئی کتاب لے آؤ یا علم میں سے کچھ آثار لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ (الاحقاف:۴)

آج بھی اللہ کے سوا جن جن سے دعائیں طلب کی جاتی ہیں جنھیں مشکل کشائی حاجت روائی کے لئے پکارا جاتا ہے۔ بھلا انھوں نے زمین و آسمان میں سے کس کس چیز کو پیدا کیا اور کس کس چیز کے وہ خالق ہیں؟ یقیناً کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کیا اور وہ خالق نہیں مخلوق ہیں، گو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں بلند درجات سے نوازا، اعلیٰ مراتب عطا فرمائے لیکن بہر حال کوئی بھی مسلم انھیں یا ان میں سے کسی کو خالق نہیں مانتا۔ تو پھر ان سے دعائیں کرنا ان سے مشکل کشائی چاہنا کیا معنی رکھتا ہے؟

قرآنِ مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیشتر مقامات پر جہاں مشرکین کے لئے سوالات بیان فرمائے کہ بتاؤ زمین و آسمان کا خالق کون ہے؟ مالک کون ہے؟ مدبر کون ہے؟ وہاں ان مشرکین کا اعترافی جواب بھی بیان کیا کہ اللہ ہی ہے۔ اس اعتراف پر اللہ کی نصیحت کہ پھر تم سمجھتے کیوں نہیں ﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ پھر تم سوچتے کیوں نہیں ﴿اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟

شرک سے بچنے کے لئے غیر میں صفات کے "لامحدود" ماننے کو شرط قرار دینا ضروری ہے تو آج جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں سے مدد مانگنے، فریاد رسی کرنے، دوسروں کو مشکل کشا، حاجت روا، گنج بخش یعنی خزانے بخشنے والا، داتا یعنی دینے والا، غریب نواز سمجھتے ہیں، کیا وہ بتلا سکتے ہیں کہ انھوں نے غیر اللہ میں ان صفات کی حدود کا تعین کس طرح کر رکھا ہے؟ مخلوق میں ان صفات کی حد بندی ان کے نزدیک کیا ہے؟ اور وہ کون کون سے مقامات ہیں

جہاں یہ لوگ نیک صالحین بندوں کی ان صفات کی حدود ختم سمجھتے ہیں؟

کیا آج لوگ بحر و بر میں خشکی و تری میں ہر مشکل گھڑی میں غیر اللہ کو پکارتے اور ان سے دعائیں مانگتے نظر نہیں آتے ؟ کیا یہ دہائیاں یہ دعائیں یہ فریادیں یہ صدائیں عام نہیں سنی جاتیں کہ اے مولا علی! اے شیر خدا! میری کشتی پار لگا دے۔ یا اے معین الدین چشتی! لگا دے پار میری کشتی۔ یا شیخ عبدالقادر جیلانی سے دعا مانگتے ہوئے امداد کن امداد کن از رنج وغم آزاد کن در دین و دنیا شاد کن یا غوث اعظم دستگیر! یعنی امداد کر امداد کر، رنج وغم سے آزاد کر، دین و دنیا کو خوشحال کر اے ہاتھ تھامنے والے سب سے بڑے فریاد رسا (استغفر اللہ) کیا یہ اور اس قسم کی بے شمار دعائیں، عام نہیں؟

کاش! کوئی ہمیں اس بات سے آگاہ کر دے کہ ہمارے نزدیک یہ اور یہ ''حدود'' ہیں کہ جن کی وجہ سے ہمارے عقیدہ میں غیر اللہ میں ان ''صفات'' کا ''لامحدود'' نہ ماننا واضح ہوتا ہے اور ان ''صفات'' کے ''لامحدود'' ہونے کی نفی ثابت ہوتی ہے۔

الغرض! ''حدود'' کے اثبات اور غیر میں ان صفات کے ''لامحدود'' ہونے کی نفی ہی ''شرک'' سے بچانے کے لئے کافی نہیں کہ محدود صفات کے اقرار کے باوجود بھی قرآن مجید میں مشرکینِ عرب کو ''شرک'' کرنے والے ہی بتلایا گیا اور انھیں مشرک قرار دیا گیا۔

چونکہ حدود کی یہ تعیین ان کی خود ساختہ تھی اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں تھی نہ قرآن مجید سے پہلے کسی کتاب میں نہ ہی انبیاء علیہم السلام اور ان کے اصحاب میں سے کسی کے آثار میں ان صفات کا نیز ان کی حدود کا کوئی ثبوت نہیں تھا اور نہ ہے۔

قرآن مجید میں کتنے ہی انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں بیان ہوئیں، ذخیرہ احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعاؤں کا تذکرہ موجود ہے لیکن الحمد للہ ایسی کوئی بات ان میں موجود نہیں۔

معبود و مسجود ماننا: شرک لازمی آنے کے لئے فریقِ ثانی کے ہاں ایک لازمی شرط یہ سامنے آئی کہ ''شرک تب لازم آئے گا جب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کو واجب الوجود معبود

ومسجود ماننا لازم آئے۔''

واجب الوجود سے متعلق تو ہم اپنی معروضات دلائل کے ساتھ عرض کر چکے ہیں۔اب رہی یہ شرط کہ ''معبود و مسجود'' ماننا بھی لازم آتا ہو تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ شرک سے متعلق دیگر شرائط کی طرح فریقِ ثانی کی یہ شرط بھی قرآن وسنت کی روشنی میں سراسر باطل اور لغو ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴾ یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں کہ وہ تم سے بحث و جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے۔ (الانعام:١٢١)

فریقِ ثانی کے ''معروف مفسر'' نعیم الدین مراد آبادی صاحب نے اس آیت کے حاشیہ میں لکھا ہے: '' کیونکہ دین میں حکم الٰہی کو چھوڑنا اور دوسرے حکم کا ماننا اللہ کے سوا اور کو حاکم قرار دینا شرک ہے۔'' (خزائن العرفان حاشیہ سورۃ الانعام آیت:١٢١)

دیکھئے اس آیت میں اللہ کے حکم کو چھوڑ کر دوسروں کے حکم کے ماننے کو شرک قرار دیا گیا ہے جیسا کہ فریقِ ثانی کے حاشیہ سے بھی واضح ہوتا ہے حالانکہ اس سے ''مسجود'' ماننا تو لازم نہیں آتا۔اس آیت سے نیز فریقِ ثانی کی اپنی وضاحت سے ان کی یہ تیسری شرط بھی باطل ٹھہرتی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ کرتے چلیں جو عام طور پر شرک کے مباحث کے دوران میں سامنے آتی ہے اور بہت سے لوگ ان غلط فہمیوں کا شکار ہو کر دور کی گمراہیوں میں جا پڑتے ہیں۔

ا۔غلط فہمی: اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات میں سے کوئی صفت غیر اللہ میں تسلیم کرنا شرک ہے تو پھر بہت سی ایسی صفات غیر اللہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ اور بے شک اللہ سمیع وبصیر ہے۔ (الحج:٦١)

اور یہی بات انسانوں سے متعلق بھی فرمائی کہ

﴿فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا﴾ اور ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ (الدھر:۲)
یعنی سننا اور دیکھنا اللہ کی بھی صفت ہے اور بندوں کی بھی تو کیا یہ شرک ہے؟
ازالہ: یہ قطعاً شرک نہیں ہے اور اس کی کئی وجوہات ہیں:
اولاً: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾
(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے آؤ میں تمھیں پڑھ کر سناؤں کہ تمھارے رب نے تم پر کیا حرام کیا ہے۔ (یہ کہ) تم اللہ کے ساتھ ذرا سا بھی شرک نہ کرو۔ (الانعام:۱۵۱)
اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:
﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا﴾
(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً میرے پروردگار نے کھلی اور پوشیدہ بے حیائی کو اور گناہ اور ناحق زیادتی کو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کو جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی حرام کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ''شرک'' کو حرام قرار دیا ہے اور اس کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ غیر کے سمیع وبصیر ہونے کی دلیل اللہ نے قرآن مجید میں نازل کی ہے۔ سورۂ دہر کے علاوہ بھی آیات موجود ہیں تو یہ ''شرک'' نہیں ہوسکتا کیونکہ شرک کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔

ثانیاً: اگر یہ شرک ہوتا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ انسان کو یہ صفت ہی عطا نہ فرماتا کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ شرک کو حرام فرمائے۔ اس پر سخت عذاب کی وعید سنائے، ناقابل معافی جرم قرار دے اور دوسری طرف انسان کی تخلیق ایسے فرمائے کہ ''شرک'' کا نہ ہونا محال ہو جائے۔ کلا وفلا ہرگز نہیں کوئی ایمان والا تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

ثالثاً: یہ کہ اللہ اور انسان ہر دو کے سمیع وبصیر ہونے کی صفات ایسی ہیں جو موصوف کے لائق

اور شایانِ شان ہیں۔ خالق ومخلوق کی یہ صفات یکساں و مشابہ نہیں ہیں۔ اللہ تو دل کی دھڑکنوں کو بھی سنتا ہے خفیہ آواز کو بھی سنتا ہے جبکہ انسان کی صفات محدود ہیں۔

رابعاً: فریقِ ثانی کے ''علامہ'' احمد سعید کاظمی صاحب لکھتے ہیں:

''ان صفات سے شرک لازم نہیں آتا جو اللہ تعالیٰ نے کسی کو بخشی ہیں'' (توحید اور شرک ص ۵)

تو سمیع و بصیر ہونے کی ''صفات'' بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بخشی ہوئی ہیں لہٰذا شرک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس بات سے تو ثابت ہوتا ہے کہ محدود اور عطائی مان لینے سے شرک لازم نہیں آتا۔

تو عرض ہے کہ جس قدر محدود مانا جا رہا ہے اس کی دلیل ہو نیز جس چیز کو عطائی مانا جا رہا ہے اس کے ''عطاء'' کی بھی دلیل ہو تو اسے شرک کون کہتا ہے؟ لیکن اپنی طرف سے بہت بڑی حدود بنا کر نیز اپنی طرف سے بہت سی ''صفات'' سے کسی کو متصف ٹھہرا کر ان صفات کو عطائی کہا جائے اور پھر معاملہ یہاں تک آ پہنچے کہ انھیں وہ ''حقوق'' دے دیئے جائیں جو اللہ کے حقوق ہیں اور ان کے ساتھ وہ معاملہ اختیار کیا جائے جو اللہ کی عبادت و بندگی سے متعلق ہے تو پھر شرک ہوگا، نیز ایسے ہی معاملات کو اہل اسلام شرک قرار دیتے رہے اور شرک قرار دیتے ہیں، اس کی صرف ایک مثال عرض کئے دیتے ہیں:

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((حق الله على عباده أن يعبدوه ولا يشركوا به شيئًا))

بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ بندے صرف اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں۔ (صحیح البخاری: ۵۹۶۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت و بندگی بلاشرکت غیرے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الدعاء هو العبادة)) ثم قرأ ﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ

الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴾
دعا ہی عبادت ہے پھر آپ نے (یہ آیت) تلاوت فرمائی: اور تمھارے رب نے حکم دیا کہ مجھ سے دعا مانگو میں تمھاری دعا قبول کروں گا بے شک جو لوگ میری عبادت سے سرکشی اختیار کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

(مومن: ۶۰، سنن ترمذی: ۳۳۷۲، وسندہ صحیح)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ دعا عبادت ہے۔ اللہ نے حکم دیا کہ مجھ سے دعا مانگو۔ لیکن آج کتنے ہی لوگ ہیں جو غیر اللہ سے دعائیں طلب کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مقرب بندے ہماری دعائیں سنتے ہیں، ہمارے حال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اسے قبول بھی کر سکتے ہیں، اگر اس قسم کی دعاؤں کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

المختصر کہ جب وہ غیر اللہ سے دعا طلب کرتے ہیں تو ان کی عبادت ہی کر رہے ہوتے ہیں چونکہ دعا عبادت ہی ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اللہ کا یہ حق دوسروں کو دینا اور اس طرح ان کی عبادت کرنا یقیناً شرک ہے۔ خواہ ان مقرب بندوں میں دعاؤں کے سننے اور انھیں قبول کرنے کی صفت کو محدود یا عطائی ہی مانا جائے یہ تب بھی ''شرک'' ہی رہے گا چونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں، کوئی منزل من اللہ سلطان و برہان نہیں اور ان حدود اور اس عطا کی کوئی دلیل نہیں سو ''عبادت'' ہونے کی وجہ سے یہ ''شرک'' ہے۔

الحمدللہ! اس ایک مثال سے اس سلسلے میں پیش کی جانے والی بعض دیگر غلط فہمیوں کو بھی با آسانی دور کیا جا سکتا ہے اور ان کا بھی ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ (ان شاء اللہ)

اب آتے ہیں زیرِ بحث موضوع کی طرف کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں محمد رسول اللہ ﷺ کی امت سے شرک کا صدور ممکن ہے آیا یہ امت بھی شرک میں مبتلا ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور بعض لوگوں کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں کہ امتِ مصطفیٰ ﷺ میں شرک کا کوئی خطرہ نہیں وہ شرک سے بالکل محفوظ ہے۔ اس سلسلے میں ان کے پیش کردہ دلائل کیا ہیں اور ان دلائل کی اصل حقیقت کیا ہے؟ [باقی آئندہ شمارے میں، ان شاء اللہ]

حافظ شیر محمد

سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے محبت

(۲)

⑨ سیدنا مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ابن مریم (علیہما السلام) دجال کو لُدّ کے دروازے کے پاس قتل کریں گے۔

(سنن الترمذی:۲۲۴۴ وسندہ حسن، الحدیث:۶ ص ۲۹، ۳۰)

یادرہے کہ لُدّ کے مقام پر موجودہ اسرائیل کے یہودیوں کا جنگی ائیر پورٹ ہے۔

⑩ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**عصابتان من أمتي أحرزهما اللّٰه من النار :عصابة تغزو الهند و عصابة مع عيسى بن مريم عليه الصلٰوة والسلام .**))

میری اُمت کے دو گروہوں کو اللہ نے آگ (کے عذاب) سے بچا لیا ہے: ایک گروہ جو ہند کے خلاف جہاد کرے گا اور دوسرا گروہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہوگا۔

(التاریخ الکبیر للبخاری ۶/ ۷۲، ۷۳ وسندہ حسن لذاتہ، النسائی ۶/ ۴۲۔۴۳ ح ۳۱۷۷ بسند آخر)

ان دس روایات اور دیگر احادیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول والی احادیث متواتر ہیں۔ متعدد علماء مثلاً امام ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری السنی ، حافظ ابن کثیر اور ابوالفیض الادریسی الکتانی وغیرہم نے نزولِ مسیح کی احادیث کے متواتر ہونے کی تصریح کی ہے۔ دیکھئے تفسیر طبری (۳/ ۲۰۴) وتفسیر ابن کثیر (۱/ ۵۷۷، ۵۸۲) نظم المتناثر من الحدیث المتواتر (ص ۲۴۱) اور الحدیث: ۳ ص ۴۰

نزولِ مسیح عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا عقیدہ آثارِ سلف صالحین سے بھی ثابت ہے۔ مثلاً:

۱۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ عیسیٰ بن مریم جوان ہیں، تم میں سے جو اُن سے ملاقات کرے تو انھیں میری طرف سے سلام کہہ دے۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/ ۱۵۶، ۱۵۷ ح ۳۷۵۱۱ وسندہ صحیح)

۲۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ کا قول شروع میں گزر چکا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو سب ان پر ایمان لے آئیں گے۔ نیز دیکھئے تفسیر ابن جریر (۵۴/۲۵ وسندہ صحیح)

۳۔ مفسرِ قرآن امام قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷ھ) نے ﴿قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ کی تفسیر میں فرمایا: ''قبل موت عیسی'' عیسیٰ کی موت سے پہلے۔ (تفسیر ابن جریر ۱۴/۶، وسندہ صحیح)
یعنی امام قتادہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام پر ابھی تک موت نہیں آئی۔ نیز قتادہ رحمہ اللہ نزولِ مسیح کے قائل تھے۔ دیکھئے تفسیر ابن جریر (۵۴/۲۵ وسندہ صحیح)

۴۔ ثقہ تابعی ابو مالک غزوان الغفاری رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ اس وقت ہے جب عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے تو اہلِ کتاب میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا مگر آپ پر ایمان لے آئے گا۔ (تفسیر ابن جریر ۱۴/۶، وسندہ صحیح)

۵۔ ابراہیم (بن یزید النخعی، متوفی ۹۵ھ) رحمہ اللہ نے فرمایا: مسیح آئیں گے تو صلیب توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۴۵/۱۵ ح ۳۷۴۸۷ وسندہ حسن)

۶۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے خروج کا ذکر فرمایا۔

(دیکھئے کتاب الفتن للامام نعیم بن حماد الصدوق: ۱۶۴۵، وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ص ۴۰۲، ۴۰۳ ح ۱۳۴۲)

۷۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ﴿قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ کی تفسیر میں ''موت عیسی'' فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ ابھی تک عیسیٰ علیہ السلام پر موت نہیں آئی۔
دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر (۳۵۹/۵۰ وسندہ حسن)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم کے نزول کے قائل تھے۔
دیکھئے تفسیر ابن جریر (۵۴/۲۵ وسندہ حسن)

۸۔ اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی (تابعی) رحمہ اللہ نے قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم کے خروج کو قیامت کی نشانی قرار دیا۔ (تفسیر طبری ۵۴/۲۵ وسندہ حسن)

۹۔ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ عیسیٰ بن مریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (حجرۂ نبویہ)

میں دفن ہوں گے۔ (سنن الترمذی: ۳۶۱۷ وقال: ''حسن غریب'' وسندہ حسن)

یاد رہے کہ حجرۂ نبویہ میں صرف چار قبروں کی جگہ ہے۔اس وقت وہاں تین قبریں موجود ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر، سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی قبر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی قبر۔

چوتھی قبر کی جگہ خالی ہے جہاں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول کے بعد دنیا میں طبعی عمر گزار کر، وفات کے بعد دفن کئے جائیں گے۔

۱۰۔ امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نزول عیسیٰ بن مریم کے قائل تھے۔

دیکھئے کتاب الام (ج ۵ ص ۲۷۰، التوقیف فی الإیلاء)

سلف صالحین سے کوئی بھی اس عقیدے کا مخالف نہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ سلف صالحین کے اجماع سے ثابت ہے۔

اللہ کے رسول اور نبی سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا آسمان سے نازل ہونا وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر تمام اہل ایمان متفق ہیں۔ابو جعفر احمد بن سلامہ الطحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''و نؤمن بأشراط الساعة :من خروج الدجال و نزول عیسی علیه السلام من السماء ''اور ہم قیامت کی نشانیوں میں سے خروجِ دجال اور عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ (العقیدۃ الطحاویہ مع شرح ابن ابی العز الحنفی ص ۴۹۹)

بعض تقلیدیوں نے یہ جھوٹا دعویٰ کر رکھا ہے کہ ''جب عیسیٰ علیہ السلام (آسمان سے) نازل ہوں گے تو فقہ حنفی کے مطابق عمل کریں گے.....'' حالانکہ نزولِ مسیح کی حدیث کے راوی امام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۸ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق امامت فرمائیں گے۔

دیکھئے صحیح مسلم (۱۵۵/۲۴۶، دارالسلام: ۳۹۴)

سیدنا عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بے شمار ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کے رسول، نبی اور روح اللہ ہیں۔آپ سے محبت اور قیامت سے پہلے آسمان سے آپ کے نزول کا عقیدہ رکن ایمان ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

فہرست مضامین ماہنامہ "الحدیث" 2007ء

شمارہ: ۳۲ جنوری ۲۰۰۷ء

شمارہ:۳۳ فروری ۲۰۰۷ء

شمارہ:۳۴ مارچ ۲۰۰۷ء

شمارہ:۳۵ اپریل ۲۰۰۷ء

شمارہ:۳٦ مئی ۲۰۰۷ء

شمارہ: ۳۷ جون ۲۰۰۷ء

شمارہ:۳۸ جولائی ۲۰۰۷ء

شمارہ:۳۹ اگست ۲۰۰۷ء

شمارہ:۴۰ ستمبر ۲۰۰۷ء

شمارہ:۴۱ اکتوبر ۲۰۰۷ء

شمارہ:۴۲ نومبر:۲۰۰۷ء

نوٹ: دسمبر ۲۰۰۷ء (الحدیث: ۴۳) کی فہرست کے لئے دیکھئے یہی شمارہ (ص ۱)

کلمۃ الحدیث

ابن نور محمد

ماہنامہ ''الحدیث'' ایک نظر میں

قرآن وحدیث کی برتری اور سلف صالحین کے متفقہ فہم کی ضوگستری کا منہج اپنائے، کتاب وسنت کے ذریعے سے اتحاد امت کا علم اُٹھائے، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمۂ کرام کی محبت دلوں میں بسائے، اتباع کتاب وسنت کی دعوت عام کئے، علمی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا انتخاب اور ضعیف وموضوع روایات سے کلی اجتناب کا عزم لئے، ماہنامہ ''الحدیث'' اپنے چار سال مکمل کرنے کو ہے۔ والحمدللہ

اس مختصر سے عرصے میں ''الحدیث'' نے بادِ نشاط افزائے علم کا کردار ادا کیا اور عوام و خواص کو شوقِ رہ پیمائی صحرائے علم کا پیغام دیا اور جو لوگ حدیث اور اہل حدیث کے خلاف ہرزہ سرائی، دشنام طرازی، تبرا بازی اور قلم درازی کو واجبات میں سے ایک واجب تصور کرتے ہیں ان کو یہ احساس دلایا کہ اب تمھاری دور اَز کار تاویلیں، بے بنیاد فقہی موشگافیاں اور عقلی چٹکلے تیرِ نیم کش کی طرح اکارت ورائیگاں ہیں۔ یقیناً ایسے لوگوں کو لگام دینے کے لئے بھی موثر رہا ہے جو محدثین کرام کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا اپنا موروثی حق سمجھتے ہیں۔ جس کا منہ بولتا ثبوت قارئین کے خطوط اور علمائے کرام کا خراجِ تحسین ہے۔

ماہنامہ ''الحدیث'' کا امتیاز: موجودہ دور کہ جس میں مفادات ونظریات کی جنگ پورے عروج پر ہے۔ کھینچا تانی کے معاملے میں لوگ عام روایات تو کجا رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے سے بھی نہیں چوکتے۔ ''الحدیث'' کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں روایات کو مکمل تحقیق کے بعد درج کیا جاتا ہے۔ اس میں نہ صرف احادیث کے سلسلے میں احتیاط کو ملحوظ رکھا جاتا ہے بلکہ آثار صحابہ وتابعین اور اقوالِ ائمہ میں سے بھی وہی لکھے جاتے ہیں جو صحیح یا حسن لذاتہ کے درجے تک پہنچتے ہیں اور ہر بات مدلل وباحوالہ ذکر کی جاتی ہے۔

الحمدللہ! ادارہ مکتبۃ الحدیث خالص دینِ حق کی تبلیغ، ترویج اور نشر واشاعت میں کوشاں ہے اور ہر اس چیز کی نشاندہی کے لئے پُر عزم ہے جس میں جھوٹ و باطل کی آمیزش ہے۔

آخر میں یہی دعا ہے کہ یاالٰہی! یہ نورِ بصیرت عام کر دے (آمین)

ابو معاذ

حدیث کے مقابلے میں تقلید

عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ تابعی نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے لوگوں کو پھسلا دیا ہے۔ انھوں نے پوچھا: اے عُریہ! کیا بات ہے؟

عروہ نے کہا: آپ (حج کے) ان دس دنوں میں عمرے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ ان میں کوئی عمرہ نہیں ہے۔ ابن عباس نے فرمایا: تم اپنی ماں (اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا) سے اس کے بارے میں کیوں نہیں پوچھتے؟ تو عروہ نے کہا: ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) یہ (عمرہ) نہیں کرتے تھے۔ تو ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اسی چیز نے تمھیں ہلاک کیا ہے۔ اللہ کی قسم! میرا یہی خیال ہے کہ اللہ تمھیں عذاب دے گا، میں تمھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم میرے سامنے ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کو پیش کرتے ہو۔

عروہ نے کہا: اللہ کی قسم! وہ دونوں آپ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو جاننے والے اور اس پر عمل کرنے والے تھے۔

خطیب بغدادی نے فرمایا: ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں عروہ نے جو کہا وہ صحیح ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (یعنی حدیث) کے مقابلے میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے۔

(الفقیہ والمتفقہ ج ۱ ص ۱۴۵، وسندہ صحیح)

عرض ہے کہ تقلید ہوتی ہی حدیث کے مقابلے میں ہے۔ ابن جوزی کے استاذ اور شرح ابن عقیل کے مصنف ابو الوفاء علی بن عقیل البغدادی النحوی (متوفی ۵۱۳ھ) فرماتے ہیں:

''**هو تعظيم الرجال و ترك الأدلة هو التقليد فأول من سلكه الشيطان**''

رجال کی تعظیم اور دلائل کو ترک کرنا یہی تقلید ہے اور سب سے پہلے اس راستے پر شیطان چلا۔

(کتاب الفنون ج ۳ ص ۶۰۴ بحوالہ ماہنامہ التوحید [جولائی ۲۰۰۶ء] ص ۹)

یعنی بعض رجال کی اندھی تعظیم اور دلائل / احادیث کو ترک کر دینا تقلید کہلاتا ہے۔